مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ
الامداد
لاہور پاکستان

مدیر مسئول
(مولانا) مشرف علی تھانوی

مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۱۵	ذوالقعدۃ ۱۴۳۵ھ / ستمبر ۲۰۱۴ء	شمارہ ۹

زکوۃ النفس

اصلاح باطن کا طریقہ

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/ ۲۰ روپے زرسالانہ =/ ۲۰۰ روپے

ماہنامہ الامداد لاہور
۳۵۴۲۲۲۱۳
۳۵۴۳۳۰۴۹
پتہ دفتر: جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

ناشر: (مولانا) مشرف علی تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۱۳/۲۰ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

(زکوۃ النفس)

(اصلاح باطن کا طریقہ)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۲	فلاح کا مدار تزکیہ ہے	۹
۳	تزکیہ کی حقیت	۱۰
۴	لا تزکروا انفسکم پر شبہ کا جواب	۱۱
۵	دینی ضرر ایک خسارہ عظیم ہے	۱۲
۶	تقویٰ باطنی عمل ہے	۱۳
۷	تقویٰ صلاحیت قلب کا نام ہے	۱۳
۸	تقویٰ فعل اختیاری ہے	۱۴
۹	اپنے نفس کو پاک کہنے کی ممانعت	۱۵
۱۰	فہم قرآن کے لئے عربیت سے واقفیت ضروری ہے	۱۶
۱۱	لفظ ضال کے دو معنی	۱۶
۱۲	بے خبری کوئی عیب نہیں	۱۸

۱۳	مترجم کو محاورات زبان پر عبور کامل کی ضرورت	۱۸
۱۴	انا مومن انشاء اللہ کہنے میں اختلاف	۱۹
۱۵	اپنے کو دعویٰ کے طور پر مؤحد نہ کہو	۲۱
۱۶	تزکیہ سے متعلق سالکین کی غلطیاں	۲۲
۱۷	تحصیل کمال کی ترغیب	۲۳
۱۸	تکمیل صلوٰۃ کی ترغیب	۲۳
۱۹	وساوس کے دو درجے	۲۴
۲۰	کثرت عبادت کا طریق	۲۵
۲۱	حصول نور کا ظہور	۲۶
۲۲	عجلت پسندی	۲۷
۲۳	تعجیل سد راہ ہے	۲۸
۲۴	حکایت شبان موسیٰ علیہ السلام	۲۹
۲۵	صبر کا طریق	۲۹
۲۶	طالب کی شان	۳۰
۲۷	ایک قسم کا دوام	۳۱

۲۸	ذکر کا فائدہ	۳۲
۲۹	تزکیہ میں مشغول رہنے کی ضرورت	۳۲
۳۰	سالکین کی دوسری غلطی	۳۳
۳۱	ناقص عمل کو ہمیشہ کافری سمجھنا غلطی ہے	۳۴
۳۲	وسوسہ میں مشغول فعل اختیاری ہے	۳۵
۳۳	معنیٰ حدیث میں تحریف	۳۶
۳۴	وصول کے لئے مجاہدہ کی ضرورت	۳۶
۳۵	شیطان کا چیزوں کو بھلا دینا	۳۷
۳۶	دراصل نیند یکسوئی میں آتی ہے	۳۸
۳۷	نماز میں حضور ﷺ کے سہو کا سبب	۳۹
۳۸	تزکی مامور بہ نہیں	۳۹
۳۹	طالب جاہل اور قانع جاہل	۴۰
۴۰	صلح حدیبیہ فتح مبین	۴۱
۴۱	ملائکہ بھی اجتہاد کرتے ہیں	۴۲
۴۲	وصال وہجرت کا مفہوم	۴۴

۴۳	قبض کی حقیقت	۴۶
۴۴	قرب صوری ومعنوی	۴۶
۴۵	تخلیہ اور تحلیہ	۴۷
۴۶	تخلیہ مقدم ہے یا تحلیہ	۴۹
۴۷	ہر شخص کی استعداد جدا ہوتی ہے	۴۹
۴۸	شیخ کامل کی تجویز پر بلا چون وچرا عمل کی ضرورت	۵۱
۴۹	سلسلہ چشتیہ اور نقشبندیہ کی حقیقت	۵۲

t

وعظ

(زکوۃ النفس)

(اصلاح باطن کا طریقہ)

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ کا۔

یہ وعظ ۱۵ رجب ۱۳۴۱ھ بروز یکشنبہ بمقام خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ہوا۔ جو کہ حضرت والا نے بیٹھ کر ایک گھنٹہ ۴۵ منٹ ارشاد فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً ۳۰ تیس عدد تھی۔ شاہ لطف رسول صاحب نے مسودہ اجمالی ضبط کیا اور مولانا ظفر احمد صاحب نے تفصیل کی۔ وعظ میں تزکیہ نفس کا طریقہ بیان کیا اور چشتیت و نقشبندیت کی وضاحت فرما کر ان دونوں کے طریق تربیت کو بیان کیا اور بتایا کہ مقصود اصلاح باطن ہے جیسے بھی حاصل ہو۔ دونوں طریق درست ہیں۔

خلیل احمد تھانوی

۲۳ رجب ۱۴۳۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارك وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا﴾(۱) ''جس نے اپنے نفس کو رذائل سے پاک کیا وہ کامیاب ہوگیا''

فلاح کا مدار تزکیہ ہے

یہ ایک مختصر سی آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے تزکیہ کو مدار فلاح ٹھہرایا ہے جس سے تزکیہ کی ضرورت ظاہر ہے کیونکہ فلاح کی ضرورت سب کو ہے اور اس کا مدار تزکیہ کو ٹھہرایا گیا ہے۔ لیکن اس وقت مجھے ضرورت تزکیہ کے بیان کی نہیں کیونکہ مخاطبین بفضلہٖ تعالیٰ سب ایسے ہیں جن کو اس کی ضرورت میں تردد نہیں بلکہ سب تزکیہ کو ضروری ہی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ تزکیہ کا ضروری سمجھنا ہی اس بیان کی درخواست کا سبب ہے کیونکہ احباب نے محض طلب اصلاح کے لئے اس وقت بیان کی درخواست کی ہے کہ ہماری اصلاح کے لئے کوئی ضروری بات بیان کردی جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصلاح کی ضرورت ان کو معلوم ہے اور یہی تزکیہ کا

(۱) سورۃ الشمس: ۹۔

حاصل ہے اس لئے ضرورت تزکیہ پر میں زیادہ اہتمام کے ساتھ گفتگو نہ کروں گا۔ اس وقت مجھے صرف بعض غلطیوں کا رفع کرنا(۱) مقصود ہے جو اکثر سالکین کو(۲) تزکیہ کے متعلق ہوجاتی ہے اگرچہ وہ غلطیاں ان کو معلوم ہیں۔ مگر استحضار نہیں ہے بلکہ یوں کہئے کہ استحضار بھی ہے لیکن جیسا استحضار ہونا چاہیے(۳) وہ نہیں ہے اور جب غلطیوں کا پورا استحضار نہیں ہے تو ان میں سے کسی کے اختیار کر لینے کا احتمال ہے اس لئے ان پر متنبہ کر دینا ضروری ہے تنبیہ سے ان کا پورا استحضار ہوجائے گا پھر غلطی کی کوئی صورت اختیار کرنے کا احتمال نہ رہے گا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ مخاطبین میں سے بعض کو یہ غلطیاں معلوم ہی نہ ہوں تو ان کو اس تنبیہ سے علم بھی ہوجائے گا اور استحضار بھی۔ اب سنئے کہ وہ غلطیاں دو ہیں جو تزکیہ کے متعلق پیش آیا کرتی ہیں۔

تزکیہ کی حقیت

مگر غلطیوں کے بیان سے پہلے میں تزکیہ کی حقیت بیان کردوں کیونکہ بعض دفعہ حقیقت کے معلوم نہ ہونے سے بھی غلطی میں وقوع ہوجاتا ہے(۴) سو تزکیہ کے معنی ہیں اپنے نفس کو رذائل سے(۵) پاک کرنا کیونکہ جس طرح باطن کے لئے بھی ایک حالت صحت کی ہے اور ایک مرض کی اور نفس کو امراض باطنیہ سے پاک(۶) کرنا یہی تزکیہ ہے جس کا شریعت میں نہایت تاکید سے امر ہے(۷) اور اسے مدار فلاح ٹھہرایا گیا ہے۔ یہاں ایک خفیف سا شبہ ہے(۸) درمیان میں اس کو بھی رفع کر دینا(۹) چاہتا ہوں ممکن ہے کہ جن لوگوں نے درسیات باقاعدہ نہ پڑھی ہوں ان کو یہ شبہ ہوجائے اور ممکن ہے کہ وہ اس تقریر کے بعد بھی اپنے شبہ کو

(۱) دور کرنا (۲) تصوف کی راہ پر چلنے والوں کو (۳) ذہن میں حاضر نہیں جیسی ہونی چاہیے (۴) غلطی میں پڑجاتا ہے (۵) بری باتوں سے (۶) باطنی بیماریوں (۷) حکم (۸) چھوٹا سا شبہ (۹) دور کردوں۔

حل نہ کرسکیں، کیونکہ قرآن سمجھنے کے لئے علوم عربیہ کی ضرورت ہے اور جو شخص عربیہ سے ناواقف ہے وہ قرآن کو نہیں سمجھ سکتا لیکن مجملاً اس تقریر سے ان کو اپنے شبہ کا غلط ہونا تو معلوم ہوجائے گا اور اتنا بھی کافی ہے۔ وہ شبہ یہ ہے کہ یہاں پر تو اللہ تعالیٰ نے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ''جس نے اپنے نفس کو رذائل سے پاک کیا وہ کامیاب ہوگیا'' فرمایا ہے جس سے تزکیہ کا مدار اور مامور بہ (۱) ہونا ثابت ہوا ہے۔

لَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ پر شبہ کا جواب

اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ﴿لَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ط هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى﴾ ''تم اپنے نفسوں کا تزکیہ نہ کرو کیونکہ حق تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ کون متقی ہے'' جس کا ترجمہ ناواقف یوں کرے گا کہ اپنے نفسوں کا تزکیہ نہ کرو کیونکہ لاتزکوا نہی کا صیغہ ہے مشتق ہے تزکیہ سے تو اب اس کو اشکال واقع ہوگا کہ ایک جگہ تو تزکیہ کا امر ہے اور ایک جگہ اس سے نہی ہے (۲) اس کے کیا معنی، جواب اس کا یہ ہے کہ اگر اسی آیت میں لَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ''تم اپنے نفسوں کا تزکیہ نہ بیان کروں'' کو اس کے مابعد سے ملا کر غور کیا جائے تو شبہ حل ہوجائے گا۔ قرآن میں اکثر شبہات ماسبق اور ما بعد کو نہ ملانے سے پیدا ہوتے ہیں (۳)۔ اگر شبہ وارد ہونے کے وقت آیت کے ماسبق اور مابعد میں غور کرلیا کریں تو خود قرآن ہی سے شبہ رفع (۴) ہوجایا کرے اور اسی جگہ شبہ کا جواب موجود ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ہر شبہ کا جواب بھی ساتھ ساتھ ذکر فرمادیا ہے جیسا کہ تکوینیات میں بھی حق تعالیٰ کی یہی عادت ہے۔ چنانچہ جن لوگوں نے خواص ادویہ کی تحقیق کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جن نباتات میں (۵)

(۱) تزکیہ کا حکم دیا گیا ہے (۲) ایک جگہ حکم ایک جگہ ممانعت (۳) آیت سے پہلے اور بعد کے مضمون کو نہ دیکھنے کی وجہ سے پیش آتے ہیں (۴) شبہ دور ہوجائے (۵) جڑی بوٹیوں۔

کسی قسم کا ضرر ہے(۱) جس مقام پر وہ پیدا ہوتی ہیں اسی مقام پر ایک دوسری نباتات بھی حق تعالیٰ پیدا کردیتے ہیں جس میں اس ضرر کی اصلاح ہوتی ہے۔ چنانچہ میں نے سنا ہے کہ ایک گھاس زہریلی ہوتی ہے جس کو کہتے ہیں اس میں بچھو کی سی خاصیت ہے اس کے چھونے سے بچھو کا سا اثر ہوتا ہے تو جس مقام پر وہ پیدا ہوتی ہے اسی مقام پر اس کے پاس ہی اللہ تعالیٰ نے دوسری گھاس اس کی اصلاح کرنے والی پیدا کردی ہے کہ اس کے ملنے سے وہ اثر زائل ہوجاتا ہے خیر تکوینیات میں تو ہم کو زیادہ تحقیق نہیں اور اس کی چنداں ضرورت بھی نہیں کہ سب چیزوں کی خاصیات دریافت کی جائیں اور ہر قسم کی دوائیں جمع کی جائیں کیونکہ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ عدم تحقیق کی وجہ سے کسی مضر کو استعمال کرلے گا اور اس کی مضرت کا انتہائی درجہ یہ ہے کہ ہلاک ہوجائے گا تو ہلاک ہونا تو ایک دن ضروری ہے۔ بدون کسی مضر چیز کے استعمال کئے بھی موت ایک دن آنی ہے۔

دینی ضرر ایک خسارہ عظیم ہے

مگر شرعیات(۲) میں یہ ضروری ہے کہ جو امور مضر ہیں(۳) ان کو جانے۔ کیونکہ ان کے نہ جاننے سے دینی ضرر ہوتا ہے جو کہ خسارہ عظیم ہے۔ اس کا ضرر موت سے بھی ختم نہ ہوگا بلکہ مرنے کے بعد بھی باقی رہے گا اور یہ سخت ضرر ہے جس کا تحمل نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں: (کانوا یسئلونہ عن الخیر وکنت اسئلہ عن الشر مخافۃ ان یدرکنی) یعنی اور صحابہ تو جناب رسول اللہ ﷺ سے خیر کی تحقیق کیا کرتے تھے اور میں شر کی تحقیق زیادہ کیا کرتا تھا اس خوف سے کہ کہیں شر میں مبتلا نہ ہوجاؤں، اس لئے جو چیز دین کو مضر ہو اس کی

(۱) نقصان (۲) شرعی احکام میں اس کی ضرورت ہے (۳) نقصان دہ۔

تحقیق کر لینا لازم ہے۔ من جملہ اس کے وہ شبہات بھی ہیں جو قرآن وحدیث میں لوگوں کو پیش آیا کرتے ہیں ان کا رفع کرنا ضرری ہے اور اس میں حق تعالیٰ نے یہ اعانت فرمائی ہے کہ جس جگہ قرآن میں شبہ ہوتا ہے وہیں جواب بھی مذکور ہوتا ہے۔ لہذا شبہ (۱) کے وقت سیاق وسباق میں ضرور غور کر لینا چاہیے۔ چنانچہ لَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ''تم اپنے نفسوں کا تزکیہ نہ کرو'' پر جو قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ''جس نے اپنے نفسوں کو رذائل سے پاک کیا وہ کامیاب ہوگیا'' سے تعارض کا شبہ ہوا تھا اس کا جواب اسی جملہ کے ساتھ ساتھ دوسرے جملہ میں مذکور ہے۔ یعنی هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ''وہ خوب جانتے ہیں کہ کون متقی ہے'' میں کیونکہ اس میں نہیں مذکور کی علت کا ذکر ہے اور ترجمہ یہ ہے کہ تم اپنے نفسوں کا تزکیہ نہ کرو کیونکہ حق تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ کون متقی ہے۔ اس میں حق تعالیٰ نے دو باتیں بیان فرمائی ہیں ایک اپنا زیادہ علیم ہونا دوسرے مَنِ اتَّقٰى کے ساتھ علم کا متعلق ہونا۔

تقویٰ باطنی عمل ہے

نصوص شرعیہ میں غور کرنے سے یہ بات ظاہر ہے کہ تقویٰ باطنی عمل ہے چنانچہ حدیث میں صراحۃً مذکور ہے (الا ان التقویٰ ھٰھنا واشار الی صدرہٖ) یعنی حضور ﷺ نے اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ سنو تقویٰ یہاں ہے۔

تقویٰ صلاحیت قلب کا نام ہے

نیز تقوے کے معنی لغۃً ڈرنے اور پرہیز کرنے کے ہیں۔ یعنی معاصی (۲) سے بچنا اور ڈرنا تو ظاہر ہے کہ باطن کے متعلق ہے اور معاصی سے بچنے کا ڈر خود اصلاح باطنی ہے۔ چنانچہ ایک دوسری حدیث میں اس کی پوری تصریح ہے۔

(۱) اس لئے (۲) گناہوں سے بچنا۔

(ان فی جسد ابن ادم مضغۃٌ اذا صلُحت صلُح الجسدُ کلُہ الا وھی القلبُ) کہ انسان کے بدن میں ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوجاتا ہے تو تمام بدن درست ہوجاتا ہے۔ سن لو وہ دل ہے اس سب سے تقویٰ کی حقیقت واضح ہوگئی کہ تقویٰ صلاحیت قلب کا نام ہے پس اب تقویٰ اور تزکی دونوں مراد ہوئے تو آیت کا حاصل یہ ہوا (ھواعلم بمن تزکی) ''وہ خوب جانتے ہیں کہ کس نے تزکیہ نفس کیا ہے۔ ایک مقدمہ تو یہ ہوا۔

تقویٰ فعل اختیاری ہے

اب یہ سمجھو کہ اس میں تزکیٰ کو عبد کی طرف منسوب کیا گیا ہے جس سے اس کا داخل اختیار ہونا مفہوم ہوتا ہے(۱) تو وہ مقدور ہوا پھر یہ کہ ''اعلام'' فرمایا، ''اقدر'' نہیں فرمایا (اس سے بھی) اشارۃً معلوم ہوا کہ بندہ کی قدرت کی نفی مقصود نہیں ہے پس اس سے بھی تقویٰ وتزکیٰ کا مقدور عبد ہونا مفہوم ہوا(۲) ورنہ اعلم نہ فرماتے بلکہ (قدر علی جعلکم متقین) ''وہ تمہیں متقی بنانے پر قادر ہیں'' یا اس کے مناسب اور کچھ فرماتے ۔ جب تقویٰ اور تزکی ایک ٹھہرے اور مقدور عبد ٹھہرے اب غور کرنا چاہیے کہ (ھو اعلم بمن التقی لا تزکوا انفسکم) ''اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ متقی کون ہے اپنے آپ کو مقدس نہ سمجھو'' کی علت بن سکتی ہے یا نہیں۔ لاتزکوا کے معنی یہ لئے جائیں کہ نفس کا تزکیہ نہ کیا کرو یعنی نفس کو رذائل سے پاک کرنے کی کوشش نہ کرو تو (ھو اعلم بمن اتقی) ''وہ خوب جانتے ہیں کہ متقی کون ہے'' اس کی علت نہی ہوسکتی کیونکہ ترجمہ یہ ہوگا کہ اپنے نفسوں کو رذائل سے پاک نہ کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ کس نے تزکی اور تقویٰ کیا ہے اور یہ ایک بے

(۱) معلوم ہوتا ہے (۲) اس سے بھی معلوم ہوا کہ تقویٰ اور تزکیہ بندے کے اختیار میں ہے۔

جوڑ سی بات ہے یہ تو ایسا ہوا جیسے یوں کہا جائے کہ نماز پڑھو کیونکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ کس نے نماز پڑھی ہے۔ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کا بندہ کے کسی فعل کو جاننا اس کے ترک کی علت نہیں ہوسکتی ورنہ پھر سب افعال کو ترک کر دینا چاہیے کیونکہ حق تعالیٰ تو بندہ کے سبھی افعال کو جانتے ہیں بلکہ اس کے مناسب یہ علت ہوسکتی تھی کہ (ھو اقدر علی جعلکم متقین او نحوہ) ''وہ اللہ زیادہ قادر ہیں تمہارے متقی بنانے پر'' یعنی یوں فرماتے ہیں کہ تم نفس کو رذائل سے پاک نہ کرو کیونکہ تم کو متقی بنانے پر حق تعالیٰ زیادہ قادر ہیں تم پورے قادر نہیں ہو پھر کیوں کوشش کرتے ہو۔

اپنے نفس کو پاک کہنے کی ممانعت

جب یوں نہیں فرمایا بلکہ (اعلم بمن اتقی) ''وہ زیادہ واقف ہیں کہ کون متقی ہے'' فرمایا ہے تو معلوم ہوا کہ یہاں تزکیہ کے وہ معنی نہیں بلکہ کچھ اور معنی ہیں جس کے ترک کی علت ''ھو اعلم'' بن سکے سو وہ معنی یہ ہیں کہ اپنے نفسوں کو پاک نہ کہو یعنی پاکی کا دعویٰ نہ کرو کیونکہ حق تعالیٰ ہی کو خوب معلوم ہے کہ کون متقی ہے (اور کون پاک ہوا ہے) یہ بات تم کو معلوم نہیں اس لئے دعویٰ بلا تحقیق مت کرو۔ اب کلام میں پورا جوڑ ہے اور علت و معلول میں کامل ارتباط [1] ہے اور تحقیق اس کی یہ ہے کہ تزکیہ باب تفعیل کا مصدر ہے اور تفعیل کی خاصیتیں مختلف ہیں جس طرح اس کی ایک خاصیت تعدیہ ہے۔ اسی طرح ایک خاصیت نسبت بھی ہے پس (قد افلح من زکھا) ''جس نے اپنے نفس کو رذائل سے پاک کیا وہ کامیاب ہوا'' میں تزکیہ کا استعمال خاصیت تعدیہ کے ساتھ ہوا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ

(۱) علت اور معلول میں مکمل ربط ہے۔

جس نے نفس کو رذائل سے پاک کیا وہ کامیاب ہوگیا۔ اس میں نفس کو رذائل سے پاک کرنے کا امر ہے (۱) لَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُم ''اپنے نفس کو مقدس نہ سمجھو'' میں تزکیہ کا استعمال خاصیت نسبت کے ساتھ ہوا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے نفسوں کو پاک کہنے کی ممانعت ہے۔ اب ان دونوں میں کچھ بھی تعارض نہیں کیونکہ جس چیز کا ایک جگہ امر ہے دوسری جگہ اس کی ممانعت نہیں بلکہ ایک نئی چیز کی ممانعت ہے۔ حکم تو نفس کے پاک کرنے کا ہے اور ممانعت پاک کہنے سے ہے کہئے اب کیا اشکال رہا۔

فہم قرآن کے لئے عربیت سے واقفیت ضروری ہے

مگر اس کو وہی سمجھ سکتا ہے جو عربیت سے واقف ہے اسی لئے کہ فہم قرآن کے لئے عربی جاننے کی سخت ضرورت ہے۔ بدوں زبان عربی کا، کافی علم حاصل کیے قرآن کا صحیح ترجمہ سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اردو میں جب عربی زبان کا ترجمہ کیا جاتا ہے تو چونکہ اردو اور عربی زبانیں مختلف ہیں دونوں کے محاورات الگ ہیں اس لئے اگر کسی کو عربی علم کافی نہیں اس کے ترجمہ میں بعض جگہ ابہام رہ جائے گا جس سے شبہات پیدا ہوں گے اور بعض جگہ ترجمہ غلط ہوجائے گا۔

لفظ ضال کے دو معنی

سورۃ الضحیٰ میں ضالاً کا ترجمہ بعض نے گمراہ کردیا جو باوجود فی نفسہ (۲) صحیح ہونے کے ایک عارض کے سبب غلط ہوگیا اور وہ عارض یہ ہے کہ ضال لفظ عربی ہے جس کا عربی میں مختلف استعمال ہوتا ہے یعنی اس میں بھی جس کو وضوح دلیل نہ ہو (۳) اور اس میں بھی جو بعد وضوح دلیل کے مخالفت کرے اور گمراہ ہمارے محاورہ

(۱) حکم ہے (۲) اپنی ذات کے اعتبار سے درست ہونے کے (۳) یعنی ضال اس کو بھی کہتے ہیں جس پر دلیل واضح نہ ہوتی ہو اور اس کو بھی کہتے ہیں جو دلیل واضح ہونے کے بعد بھی مخالفت کرے۔

میں صرف اس کو کہتے ہیں جو وضوح دلائل کے بعد حق کا اتباع نہ کرے اور لغت عربیہ کے اعتبار سے لفظ ضال کے دو معنی کو جیسا کہ مذکور ہوا عام ہے۔ ایک معانی ضال کے وہ ہیں جو ہمارے محاورہ میں گمراہ کے ہیں اور دوسرے معنی بے خبر کے ہیں اور بے خبر اس کو کہتے ہیں جس پر دلائل ظاہر ہی نہیں ہوئے اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے وضوح حق کے بعد اس کا اتباع نہ کرنا محال ہے (۱)۔ لہذا اس جگہ گمراہ سے ترجمہ کرنا غلط ہے بلکہ بے خبری سے ترجمہ کرنا مناسب ہے اور گو بے علمی بھی بے خبری کا مترادف ہے مگر اس سے بھی ترجمہ کرنا مناسب نہیں کیونکہ ہمارے محاورہ میں بے علم جاہل کو کہتے ہیں جو علوم صحیحہ سے بالکل عاری ہو (۲) اور رسول اللہ ﷺ نبوت سے پہلے گو علوم نبوت سے بے خبر ہوں۔ مگر علوم عقلیہ میں کامل تھے۔ (چنانچہ آپ نبوت سے پہلے بھی تمام عقلاء میں ممتاز اور صائب الرائے صحیح العقل کامل الفہم مشہور تھے اور یہ محض دعویٰ ہی نہیں بلکہ واقعات تاریخیہ اس پر شاہد ہیں کہ نبوت سے پہلے اہم واقعات اور امور متنازعہ میں لوگ حضور ﷺ کی طرف بکثرت رجوع کرتے تھے ۱۲) پس بے علمی سے بھی ترجمہ مناسب نہیں بلکہ بے خبری ہی سے ترجمہ کرنا مناسب ہے اور کسی بات سے بے خبری کچھ عیب نہیں کیونکہ علم ذاتی اور محیط سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کو نہیں ہر شخص علم میں تعلیم الٰہی کا محتاج ہے (بالخصوص علوم سمعیہ نقلیہ (۳) میں جن کے ادراک کے لئے عقل محض ناکافی ہے ۱۲) اور ہر شخص کو جو علم حاصل ہوتا ہے معلوم کرنے سے پہلے وہ غیر معلوم ہی ہوتا ہے۔ پس علم بعد عدم علم کوئی عیب نہیں۔

---

(۱) ناممکن ہے (۲) خالی ہو (۳) جن کا تعلق سننے اور نقل کرنے سے ہے۔

بے خبری کوئی عیب نہیں

چنانچہ حق تعالیٰ حضرت ابراہیمؑ کی شان میں بھی فرماتے ہیں:
﴿وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ﴾ ''ہم نے ایسے ہی طور پر ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات دکھلائیں تاکہ وہ عارف ہوجائیں اور تاکہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہوجائیں''

اس آیت سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو ملکوت سموات وارض کا پہلے علم نہ تھا اللہ تعالیٰ کی تعلیم واردات سے ان کو یہ علم حاصل ہوا۔ پس بے خبری کچھ عیب نہیں تو مناسب ترجمہ ضالاً کا اس جگہ ناواقف ہے پس اس لفظ کا صحیح ترجمہ موجود تھا مگر مترجمین کی نظر اس پر نہیں پہنچی اور وہ ضالاً کا ترجمہ گمراہ کر گئے۔ حاصل یہ کہ الفاظ عربیہ کا ترجمہ ہر جگہ کافی نہیں ہوتا اور مقصود کے سمجھنے میں غلطی واقع ہوجاتی ہے اس لئے ترجمہ کے لئے خود عربی کا بھی پوری طرح جاننا اور اس زبان کے محاورات سے بھی جس میں ترجمہ کیا جارہا ہے پورا وقف ہونا ضروری ہے۔

مترجم کو محاورات زبان پر عبور کامل کی ضرورت

چنانچہ ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا﴾ ''جس نے اپنے نفس کو رذائل سے پاک کیا وہ کامیاب ہو'' اور ﴿لَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ ''اپنے آپ کو مقدس نہ سمجھو'' میں دونوں جگہ زکیٰ اور لا تزکوا باب تفعیل ہی سے ہے تو جو شخص عربی جانتا ہوگا وہ سمجھے گا کہ باب تفعیل کی خاصیتیں مختلف ہیں جس طرح تعدیہ ایک خاصیت ہے نسبت بھی اسی بات کی ایک خاصیت ہے پس ایک جگہ ترجمہ یہ ہوگا کہ اپنے کو پاک نہ کہو اور ایک جگہ ترجمہ یہ ہوگا کہ جس نے نفس کو پاک کیا اور پاک نہ کہنے کا مطلب

یہ ہے کہ اپنے کو تزکیہ کی طرف منسوب نہ کرو یعنی یہ دعویٰ نہ کرو کہ ہم پاک ہو گئے یعنی گفتن کے دو معنی ہیں ایک تو مطلق کہنا کہ بقصد قبول حق کے ہو۔ دوسرا کمال کا دعویٰ کرنا پس لَا تُزَكُّوْا میں میں تزکیہ بمعنی پاک گفتن سے مراد دعویٰ پاکی کردن ہے(۱) مطلق اقرار قبول حق مراد نہیں کہ وہ تو مامور بہ ہے(۲)۔ اسی کے مماثل صوفیاء کرام کا یہ قول ہے:

مغرور سخن مشوکہ توحید خدائے　　واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

''توحید کا دعویٰ نہ کرو اس لئے توحید خدا کو واحد کہنا نہیں بلکہ واحد یقین کرنا ہے۔ اس گفتن کا بھی یہی مطلب ہے کہ دعویٰ توحید مت کرو یہ مطلب نہیں کہ توحید کے قائل نہ ہو''

کیونکہ تکلم بکلمہ الشہادۃ(۱) تو فرض ہے اس سے کیونکر روک سکتے ہیں بلکہ مقصود دعویٰ سے روکنا ہے۔

انا مؤ من انشاء اللّٰہ کہنے میں اختلاف

یہ ایسا ہے جیسا کہ امام اشعری m نے فرمایا ہے کہ انامومن حق''میں یقیناً مومن ہوں'' نہ کہنا چاہیے بلکہ انامومن حقا انشاء اللہ''میں انشاء اللہ مومن ہوں'' کہنا چاہیے اور انہوں نے بھی حقیقت میں دعوے ہی سے منع کیا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ علماء میں اختلاف ہوا ہے کہ انا مومن حق انشاء اللہ کہنا چاہیے یا انا مومن حقا تو اشعری انا مومن حقا انشاء اللہ''میں انشاء اللہ مومن ہوں'' کہنا چاہیے اور امام ابوحنیفہ m فرماتے ہیں کہ انا مومن حقاً''میں واقعی مومن ہوں'' کہنا چاہیئے۔ انا مومن حقا انشاء اللہ ''میں انشاء اللہ مومن ہوں'' نہ کہنا

(۱) اپنے کو پاک کرنے کا دعویٰ نہ کرو (۲) پاک کرنے کا تو حکم ہے (۱) کلمہ شہادت کا پڑھنا اور یقین رکھنا تو فرض ہے۔

چاہیے۔ مشہور قول میں تو اس اختلاف کا منشاء یہ ہے کہ جن لوگوں نے (انـا مـومن حقا) سے منع فرمایا ہے اور (انـا مـومن انشاء اللّٰه) کہنے کی تعلیم دی ہے۔ انہوں نے مآل [1] پر نظر کی ہے اور چونکہ مآل معلوم نہیں کہ ہم مآل میں مومن ہیں یا نہیں اس لئے انشاء اللہ بڑھانے سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انا مومن حقا کہنا چاہیے اور یہ نزاع محض لفظی ہوگا کیونکہ مآل کے اعتبار سے انشاء اللہ بڑھانے کو کوئی منع نہیں کرسکتا اور حال کے اعتبار سے انـا مـومـن حقا سے کوئی روک نہیں سکتا مگر میرے ذوق میں یہ ہے کہ جیسا انـا مـومـن حقا حال کے اعتبار سے ہے اسی طرح انا مـومـن انشـاء الـلـه بھی حال ہی کے اعتبار سے ہے مآل کے اعتبار سے نہیں۔ امام صاحب m فرماتے ہیں کہ حال کے اعتبار سے حقا کہنا چاہیے اور امام اشعری فرماتے ہیں کہ نہیں بلکہ حال کے اعتبار سے بھی انا مومن انشاء اللہ ہی کہنا چاہیے اور مطلب اشعری کا یہ ہے کہ انا مومن حقا دعویٰ کے طور سے نہ کہنا چاہیے بلکہ دعوے سے بچنے کے لئے انشاء اللہ کہنا چاہیے اور یہ انشاء اللہ محض برکت کے لئے ہوگا، تعلیق وتردد [2] کے لئے نہیں ہوگا جس سے مقصود تفویض وتوکل ہے کیونکہ انشاء اللہ جیسے تعلیق فی المستقبل کے لئے آتا ہے کبھی حال کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے جس سے تعلیق مقصود نہیں ہوتی۔ چنانچہ اس آیت ﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَاْیْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا○اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰه﴾ ’’آپ کسی کام کی نسبت یوں نہ کہا کیجئے کہ میں اس کو کل کروں گا مگر خدا کے چاہنے کو ملا دیا کیجئے‘‘ میں بھی حضور ﷺ کو برکت ہی کے لئے انشاء اللہ کہنے کی تعلیم کی گئی ہے۔ یہ انشاء اللہ تعلیق کے لئے نہیں ہے [3] کیونکہ آگے ارشاد ہے : ﴿وَاذْكُـرْ رَّبَّكَ اِذَا

(۱) انہوں نے انجام پر نظر کی ہے معلوم نہیں ہمارا انجام کیا ہوا ایمان پر مریں یا کفر پر (۲) فی الحال تو یقیناً مؤمن ہیں کیونکہ اپنے ایمان میں شک کرنا کفر ہے (۳) یہ ان شاء اللہ ایمان میں شک اور تعلیق کے لئے نہیں ہے برکت کے لئے ہے۔

نَسِیْتُ﴾ ''اپنے رب کا ذکر کرو جبکہ بھول جاؤ'' کہ اگر کبھی انشاء اللہ کہنا بھول جاؤ تو جب یاد آئے اسی وقت انشاء اللہ کہہ لیا کرو۔ یعنی ایک بات کہہ کر گھنٹہ دو گھنٹہ کے بعد انشاء اللہ کا خیال آئے تو اس وقت بھی امر ہے (۱) کہ انشاء اللہ کہہ لو تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ لفظ تعلیق کے لئے نہیں ہوسکتا کیونکہ تعلیق کے لئے کلام سابق سے موصول (۲) ہونا عقلاً ضروری ہے اور اگر انشاء اللہ کلام سے مفصول (۳) ہو تو تعلیق کو مفید نہیں ہوسکتا۔

(قلت وبقید العقل خرج جوابا عما قیل ان هذا انما یصلح الزما علی الحنیفة القائلین بعدم جواز الفصل بان المعلق والتعلیق والقائل ان یقول ان لفظته الا ان یشاء اللّٰه فیه التعلیق والاستثناء کما هوالا صل فیها ثم قوله واذکر ربك اذا نسیت یجیز الفصل بین المعلق والتعلیق والمستثنٰی منه والاستثناء کما هو مذهب ان عباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنه ۱۲ جامع)

پس یہاں بھی یعنی انا مومن انشاء اللہ میں لفظ انشاء اللہ محض تفویض کے لئے ہے نہ کہ تعلیق و تردد کے لئے اور مطلب اشعری m کا یہ ہے کہ انا مومن حق میں ایک قسم کا دعویٰ ہے۔

اپنے کو دعویٰ کے طور پر مؤحد نہ کہو

اس لئے دعویٰ سے بچنا چاہیے اور تفویض کے لئے انشاء اللہ کہنا چاہیے یہی مطلب صوفیاء کا ہوگا اس قول سے

مغرور سخن مشوکہ توحید خدا واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

''توحید خدا کا دعویٰ مت کرو کہ توحید خدا کو واحد جاننا ہے نہ واحد کہنا''

(۱) حکم ہے (۲) پچھلے کلام سے متصل ہونا (۳) جدا ہو۔

یہاں بھی واحد گفتن کے معنی دعویٰ کردن ہیں(۱) تو صوفیاء کی مراد یہ ہے کہ اپنے کو دعویٰ کے طور پر موحد نہ کہو اور جنہوں نے حقاً کہنے کو فرمایا ہے مراد وہ کہنا ہے جو بطور اقرار بالایمان کے ہو اور یہی مطلب (لا تزکوا) کا ہے کہ دعویٰ کے طور پر اپنے کو پاک نہ کہو جس پر قرینہ (ھو اعلم) ہے یعنی خدا ہی کو خبر ہے کہ کون پاک ہے پس دعویٰ پاکی کا نہ کرو یہ قرینہ اس پر دال ہے کہ یہاں تزکیہ کے معنی پاک کہنے کے ہیں نہ پاک کرنے کے جیسا مفصلاً اوپر مذکور ہو چکا ہے۔

تزکیہ سے متعلق سالکین کی غلطیاں

اب میں اصل مضمون کو بیان کرتا ہوں کہ تزکیہ کے متعلق سالکین کو کچھ غلطیاں واقع ہوتی ہیں وہ دو غلطیاں ہیں ایک یہ کہ وہ سمجھتے ہیں کہ تزکیہ کی غایت تزکی ہے۔ پس جب تزکی پر تزکی ان کے زعم میں مرتب نہیں ہوتی تو شکستہ خاطر (۲) ہو کر عمل کو چھوڑ دیتے ہیں اور یہ ان کی غلطی ہے کیونکہ تزکی باب تفعیل کا مصدر ہے جو تفعیل کا مطلوع ہے جیسے قطع فتقطع (میں نے اس کو قطع کیا پس وہ قطع ہو گیا) تو اس کا ترتب تزکیہ پر ضروری اور لازمی ہے جیسے تقطع پر تقطع کا ترتب لازم ہے۔ پس یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک شخص تزکیہ میں مشغول ہو اور تزکی حاصل نہ ہو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جیسا تزکیہ ہوتا ہے ویسی ہی تزکی حاصل ہوتی ہے اگر ناقص تزکیہ ہے تو تزکی بھی ناقص ہے(۳) اور کامل تزکیہ ہے تو تزکی بھی کامل ہوگی اور ظاہر ہے کہ تزکیہ کامل ایک دو دن میں نہیں ہوسکتا تو پھر تزکی کامل ایک دو دن میں کیونکر ہو جائے مگر لوگوں کو اول ہی دن سے شوق کامل تزکی کا ہوتا ہے کیونکہ ہر شخص کمال کا

(۱) واحد کہتے کے معنی دعویٰ کرانے کے ہیں (۲) دل توڑ کر عمل چھوڑ دیتے ہیں (۳) اگر تزکیہ ناقص ہے تو پاکی بھی ناقص۔

طالب ہے اور وہ جلدی حاصل ہوتا نہیں تو شکستہ خاطر ہو کر عمل کو چھوڑ دیتے ہیں۔

تحصیل کمال کی ترغیب

اس کو محققین منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم اس کی فکر ہی نہ کرو کہ تزکی کا ترتب ہوا(۱) یا نہیں تمہارا کام تزکیہ ہے اس میں مشغول رہو تم سے تزکیہ ہی میں مشغول ہونا مطلوب ہے۔ تزکی مطلوب نہیں تم اس کی فکر نہ کرو اور گو بظاہر یہ تحصیل کمال سے روکنا معلوم ہوتا ہے لیکن واقع میں یہ روکنا نہیں بلکہ تحصیل کمال کی ترغیب ہے کیونکہ اول ہی سے تزکی کی فکر میں پڑنا اور کچھ دنوں کے بعد تزکی کو اپنے زعم میں حاصل شدہ نہ دیکھنا طالب کے لئے پریشانی کا سبب ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ تزکیہ ہی کو چھوڑ دیتا ہے جو ذریعہ تھا حصول کمال کا اور جب اس سے یہ کہہ دیا جائے گا کہ تزکی کی فکر نہ کرو تم سے یہ مطلوب ہی نہیں بلکہ تزکیہ مطلوب ہے تو وہ بے فکر اور یکسو ہو کر کام میں لگا رہے گا اور واقع میں تزکیہ کے لئے تزکی لازم ہے وہ تو خود بخود حاصل ہوتی رہے گی اس کے لئے فکر وقصد کی ضرورت نہیں جس دن یہ کامل ہوگا اس دن تزکی خود ہی کامل ہو جائے گی اور راز اس میں یہ ہے کہ کمال تزکیہ کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ انسان یکسو ہو کر ہمہ تن (۲) اس میں متوجہ ہو اور یہ یکسوئی اس پر موقوف ہے کہ حصول تزکی کی فکر میں نہ پڑے۔

تکمیل صلوٰۃ کی ترغیب

اس لئے محققین کا تزکی کی فکر سے منع کرنا تحصیل کمال سے روکنا نہیں بلکہ تحصیل کمال پر اعانت ہے جیسے کسی کو نماز میں وسوسے آتے ہوں اور وہ بند کرنے کی کوشش کرے مگر بند نہ ہوں اس وقت بھی محققین یہ کہتے ہیں کہ وساوس کی کچھ

(۱) تزکی کی صفت تم پر مرتب ہوئی کہ نہیں (۲) مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہو جائے۔

پروانہ کرو، آنے دو تم وساوس کے ساتھ ہی نماز میں مشغول رہو۔ یہاں یہی شبہ ہوتا ہے کہ کیسے شیخ ہیں جو وساوس کے بند کرنے سے روکتے ہیں گویا نماز کی تکمیل سے منع کرتے ہیں لیکن محقق سمجھتا ہے کہ وساوس دفعۃً (۱) بند نہیں ہو سکتے۔ پس اول ہی سے اس کی فکر کرنا کہ نماز میں کوئی وساوس نہ آئے، طالب کو پریشان کردے گا۔ وساوس کے بند ہونے کی صورت یہی ہے کہ انسان ہمت کر کے نماز ہی میں توجہ رکھے چونکہ نفس کی دو طرف توجہ نہیں ہوتی اس لئے جب مدت تک توجہ سے نماز کا پابند رہے گا وسوسے خود ہی کم ہو جائیں گے اور ایک وقت وہ آئے گا کہ بالکل بند ہو جائیں گے۔ پس شیخ کا وساوس کی طرف التفات کرنے سے منع کرنا (۲) دراصل وساوس کی اجازت نہیں بلکہ تکمیل صلوٰۃ کی ترغیب ہے کیونکہ ان کی طرف التفات نہ کرنے سے وہ یکسوئی کے ساتھ اپنے کام میں لگا رہے گا اور اس طرح سے وساوس بند ہو جائیں گے۔

وساوس کے دو درجے

اور اس کی حقیقت یوں سمجھئے کہ وسوسہ کے دو درجے ہیں ایک اختیاری ایک غیر اختیاری اور کمال صلوٰۃ کے منافی وسوسہ اختیاری ہے اور غیر اختیاری وسوسہ منافی کمال صلوٰۃ نہیں ہے (۳) بلکہ اس حالت میں اپنے کام میں لگا رہنا بوجہ شاق ہونے کے زیادہ ثواب کا موجب ہے جیسے حدیث میں آیا ہے: (وَالَّذِیْ یَقْرَاُ الْقُرْآنَ وَهُوَ یَتَعْتَعُ فِیْهِ لَهٗ اَجْرَانِ) ''اور جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس میں اٹکتا ہے اس کے دو اجر ہیں'' غرض وسوسہ غیر اختیاری سے نماز ناقص نہیں ہوتی بلکہ یہ واقع میں کمال ہے مگر بصورت نقصان مگر اس میں بعض اوقات یہ غلطی ضرور ہوتی ہے کہ ایک وسوسہ ابتداء تو بلا قصد واختیار آیا پھر یہ شخص باختیار خد اس طرف

(۱) ایک دم (۲) وساوس کی طرف متوجہ نہ ہونے سے منع کرنا (۳) کمال نماز کے خلاف نہیں۔

متوجہ ہوا اور اسی میں مشغول ہو گیا اس وقت دھوکہ ہو جاتا ہے کہ سالک اس وسوسہ کو غیر اختیاری سمجھتا ہے(۱) حالانکہ یہ توجہ غیر اختیاری نہیں ہے بلکہ اختیاری ہے۔ حاصل یہ کہ شیخ وساوس غیر اختیاریہ کی طرف التفات اور توجہ کرنے سے اسی لئے منع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تم اس کے دفع میں بھی کوشش نہ کرو جس سے ظاہر بینوں کو شبہ ہوتا ہے کہ وساوس کی اجازت دیتے ہیں اور نماز ناقص کی تعلیم دیتے ہیں حالانکہ غیر اختیاری وساوس کے ساتھ نماز حقیقت میں کامل ہے گو ظاہر میں ناقص ہو۔ پس ظاہر میں شیخ کا یہ حکم ناقص نماز کا حکم ہے مگر وہ حقیقت بین ہے (۲) اور دور بین (۳) یہی سمجھتا ہے کہ وسوسہ دفعۃً (۴) تو قطع ہوگا نہیں اور جب قطع نہ ہوگا تو یہ اس کو ناقص نماز سمجھے گا اور یہ سمجھ کر چھوڑ بیٹھے اس لئے بھی وہ ایسی نماز کو کامل بتاتا اور اسی کی ترغیب دیتا ہے اور وساوس کی طرف التفات سے منع کر دیتا ہے۔

کثرت عبادت کا طریق

اس دور بینی کے سبب رسول اللہ ﷺ نے کثرت عبادت سے ممانعت فرمائی ہے۔ ظاہر میں اس پر شبہ ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے زیادہ عبادت کرنے سے روک دیا حالانکہ اچھی چیز جتنی بھی زیادہ ہو اتنی ہی اچھی ہے مگر حقیقت میں یہ کثرت عبادت سے ممانعت نہیں بلکہ تقلیل عبادت سے ممانعت ہے (۵) کیونکہ کثرت سے نفس کو کچھ دنوں کے بعد ملال اور تعب محسوس ہوگا (۶)۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ گھبرا کر تھوڑی عبادت بھی نہ کر سکے گا اور بالکل معطل ہو جائے گا (۷) اس لئے آپ فرماتے ہیں کہ عبادت اس قدر کرنا چاہیے جو ہمیشہ ہو سکے، گو قلیل (۸)

(۱) اپنے اختیار سے (۲) اسکی نظر حقیقت پر ہے (۳) دور تک نظر رکھنے والا (۴) ایک دم تو جائے گا نہیں (۵) کمی عبادت سے روکنا ہے (۶) افسوس اور تھکاوٹ ہو جائیگی (۷) بیکار (۸) اگرچہ تھوڑی ہی ہو۔

ہی ہو کیونکہ وہ اس وقت گو قلیل ہے لیکن دوام اور نباہ سے (۱) کثیر ہو جائے گی اور عبادت کثیرہ گو اس وقت زیادہ معلوم ہوتی ہے مگر تعطل کے بعد عبادت قلیلہ دائمہ (۲) کے سامنے وہ قلیل ہو جائے گی۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب mفرماتے تھے کہ سبق ایسے حال میں چھوڑو کہ کچھ شوق باقی رہ گیا ہو بالکل سیر ہو کر نہ چھوڑو۔ اگر دس بار کا شوق ہو تو نو بار ذکر کرو تا کہ ایک بار کا شوق باقی رہے اور اس کی ایک مثال فرمایا کرتے تھے کہ بچے جو چکئی (۳) سے کھیلتے ہیں تو اس پر کچھ تھوڑا ڈورا لپٹا ہوا چھوڑ دیتے ہیں وہ پھر لوٹ آتی ہے اگر سارا ڈورا کھول دیا جائے تو پھر عود نہیں کرتی بتکلف اعادہ کی حاجت ہوتی ہے (۴) مگر یہ مشورہ اس شخص کے لئے ہے جس میں شوق غالب ہو باقی جو بدشوق ہو اس کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ بتکلف عبادت میں مشغول ہوتا کہ کچھ شوق پیدا ہو۔ بہرحال مقصود یہ ہے کہ گو ثمرہ تزکیہ تزکی ہے (۵) مگر اس کا کامل درجہ دفعۃً حاصل نہیں ہوا کرتا اس لئے شیوخ کہتے ہیں کہ تم تزکی کی فکر ہی میں نہ پڑو، بس تزکیہ میں مشغول رہو، تزکی (۶) خود بخود ہوتی رہے گی۔ رہا یہ شبہ کہ ہم کو تو باوجود سعی کے اب تک کچھ بھی نور حاصل نہیں ہوا۔ تو یہ کیسے تسلیم کیا جائے کہ تزکیہ کے ساتھ تزکی ضرور ہوتی ہے۔

حصول نور کا ظہور

اس کا جواب یہ ہے کہ نور تو حاصل ہوا ہے لیکن ابھی اتنا قلیل ہے (۷) کہ تم کو محسوس نہیں ہوتا جیسے بچہ دن بدن بڑھتا ہے مگر ہر روز اس کا بڑھنا محسوس نہیں

(۱) پابندی کے ساتھ ہمیشہ کرتے رہنے سے کثیر ہو جائیگی (۲) اور عبادت کثیرہ اگرچہ اس وقت زیادہ لگ رہی ہے لیکن جب اس کو چھوڑ دے گا تو اس کے مقابلہ میں وہ عبادت جو تھوڑی ہو اور مسلسل ہو زیادہ ہو جائیگی (۳) گھماتے والی پھرکی (۴) پھر لوٹتی نہیں ارادۃ لوٹانی پڑتی ہے (۵) تزکیہ کا نتیجہ نفس کا پاک ہونا ہے (۶) نفس خود بخود پاک ہو جائے گا (۷) تھوڑا۔

ہوسکتا بلکہ کچھ عرصہ کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ پہلے اس کا اتنا قد تھا اور آج اتنا ہوگیا۔ اب اگر کوئی شخص بچہ کو روزانہ دھاگے سے ناپا کرے اور طبیب سے جا کر شکایت کرے کہ جناب نہیں معلوم کیا بات ہے کہ میرا بچہ بڑھتا ہی نہیں تو بتلایئے وہ کیا جواب دے گا۔ یقیناً یہی کہے گا کہ بھائی اس کا بڑھنا کچھ عرصہ کے بعد دفعۃً محسوس ہوگا(۱) تم جلدی نہ کرو۔ دیکھے جاؤ یہی جواب اس شبہ کا محقق دیتا ہے۔ دوسرے یہ بات بھی ہے کہ نور تو پیدا ہوتا ہے مگر بعض دفعہ غم کی ظلمت اس کو چھپا لیتی ہے تم کو چونکہ ابھی سے درجہ کمال کی ہوس ہے اور وہ حاصل نہیں ہوا۔ اس لئے غم ہوتا ہے جس کی ظلمت سے قلیل نور مخفی ہوجاتا ہے(۲) اور یہ ظلمت طبعی ہے جو نور طاعت کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے۔ اس سے نور طاعت زائل نہیں ہوتا بلکہ چھپ جاتا ہے۔ البتہ ظلمت معصیت(۳) نور طاعت کو زائل کردیتی ہے وہ اس کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی اس لئے تم جلدی نہ کرو اور بے فکری سے تزکیہ میں مشغول رہو انشاء اللہ ایک دن تم کو بھی نور محسوس ہوجائے گا۔

عجلت پسندی

اس جلدی پر مجھے ایک حکایت یاد آئی کہ ایک عالم پست آواز تھے۔ ایک بزرگ ان کے حلقہ وعظ میں بیٹھے تھے مگر ان تک آواز نہ پہنچتی تھی اس لئے اور آگے بڑھ کر بیٹھے پھر بھی آواز نہ آئی تو بالکل قریب جا کر بیٹھے اب آواز آئی تو مضامین بہت اچھے تھے یہ سن کر بہت محظوظ ہوئے۔ جب وعظ ختم ہوگیا تو ان بزرگ نے گھر جا کر دعا کی کہ مولوی صاحب کی آواز بلند ہوجائے، دعا کرنے کے بعد ایک آدمی کو ان کے پاس بھیجا کہ جا کر دریافت کرو آواز بلند ہوئی یا نہیں۔ انہوں نے کہا کہ نہیں، تو بعضے بزرگ بھولے ہوتے ہیں، یہ بھولا پن دنیوی کاموں میں تو مضر نہیں

(۱) اچانک ایک دم سے معلوم ہوگا (۲) چھپ جاتا ہے (۳) گناہ کی سیاہی۔

مگر ضروریات دینیہ میں مضر ہوتا ہے۔ (چنانچہ ان بزرگ کی جلدی سے عام لوگوں کو یہ شبہ ہوا ہوگا کہ اجابت دعا کے معنی یہ ہیں کہ دعا کرتے ہی فوراً اثر ظاہر ہو جائے حالانکہ اجابت دعا کے لئے یہ لازم نہیں۔ بعض دفعہ انبیاءؑ کی دعا کا اثر بہت دیر میں ظاہر ہوا۔ باوجود یکہ وحی سے اس کا اطمینان کر دیا گیا تھا کہ دعا قبول ہوگئی ۱۲ظ) اسی طرح بعض لوگ بھولے پن سے یہ سمجھتے ہیں کہ جب کسی عمل کا ثمرہ روز کے روز حاصل نہ ہوا تو فائدہ ہی کیا اور یہ سمجھ کر عمل کو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

تعجیل سدراہ ہے (۱)

میں اس غلطی کو رفع کرتا ہوں اور خیر خواہی سے کہتا ہوں کہ جلدی مناسب نہیں اس طریق میں تعجیل سدراہ ہے بس کام کیے جاؤ انشاء اللہ ایک دن ثمرہ (۲) تم کو خود بھی نظر آجائے گا۔ دیکھو حق تعالیٰ نے بھی عدم تعجیل کی تعلیم کے لئے آسمان وزمین کو جلدی نہیں بنایا۔ باوجود یکہ ان کی شان ہے: ﴿اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَا اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ﴾ ''ہم جس چیز کو چاہتے ہیں بس اس سے ہمارا اتنا ہی کہنا ہوتا ہے کہ تو ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے'' اگر چاہتے تو لحہ میں سب کچھ پیدا فرما دیتے مگر ایسا نہیں کیا بلکہ ارشاد ہے: ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾ ''اس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پھر عرش پر قائم ہوا'' کہ چھ دن میں آسمان اور زمین کو بنایا۔ یہاں ایک علمی فائدہ استطراداً (۳) عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ یہودیوں نے اس تدریج سے یہ سمجھا کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کے بنانے میں تھک گئے اور عرش پر لیٹ گئے اس لئے ایک آیت میں یہ بھی فرما دیا: ﴿وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ﴾ ''کہ ہم کو

(۱) طریق سلوک میں عجلت پسندی راستہ کی رکاوٹ ہے (۲) نتیجہ (۳) ضمناً۔

کچھ بھی تھکن نہیں ہوتی اس میں یہود کی گستاخی کا جواب ہے اور یہود نے یہ کلمہ چونکہ گستاخی اور بے ادبی کے طور سے کہا تھا مذمت کی گئی۔

حکایت شبان موسیٰ علیہ السلام

موسیٰؑ کے چرواہے نے محبت سے یہی کلمہ کہا تھا اس کی شکایت تو کیا بلکہ موسیٰؑ نے جب اس کی ایسی باتوں سے روک دیا تو ان پر عتاب ہوا۔

وحی آمد سوئے موسیٰ از خدا بندہ مارا چرا کردی جدا
تو برائے وصل کردن آمدی نے برائے فصل کردن آمدی
موسیا آداب دانا دیگر اند سوختہ جاں در داناں دیگر اند

''موسیٰؑ کے پاس وحی آئی ہمارے بندہ کو ہم سے کیوں جدا کردیا تم وصل کے لئے آئے ہو نہ جدائی کے لئے، اے موسیٰؑ! جاننے والوں کے لئے آداب اور ہیں اور ناواقفوں کے لئے اور''

غرض یہود بڑے گستاخ اور نالائق تھے وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کو چھ دن میں بنا کر تھک گئے (نعوذ باللہ) اور تھک کر عرش پر لیٹ گئے اور چونکہ رسول اللہ ﷺ کو یہود کی اس قسم کی گستاخیاں سن کر رنج ہوتا تھا اس لئے حق تعالیٰ نے: ﴿وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ﴾ ''اور ہم کو تھکن نہیں ہوئی'' کے بعد یہ بھی ازالہ حزن (۱) کے لئے فرمایا: ﴿فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ﴾ ''آپ ان کی باتوں پر صبر کریں'' کہ ان کم بختوں کی باتوں پر صبر کیجئے۔

صبر کا طریق

پھر چونکہ حق تعالیٰ کی شان میں گستاخی سن کر حضور ﷺ جیسا عاشق صبر نہیں کرسکتا اس لئے آگے صبر کے طریقے بتلاتے ہیں: ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ﴾ ''

(۱) غم دور کرنے کے لئے۔

کہ آپ اپنے رب کی تسبیح وتحمید میں مشغول رہئے یعنی ان کی طرف سے توجہ کو ہٹا کر ذکر الٰہی میں لگ جائیے ادھر توجہ ہی نہ کیجئے جوسن کر ایذا پہنچے بلکہ اپنی توجہ کو محبوب کی طرف مشغول کر دیجئے۔ الغرض حق تعالیٰ نے زمین وآسمان کو باوجود یکہ ایک لمحہ میں پیدا کر سکتے چھ دن میں پیدا کیا۔ ہمارے مفسرین نے لکھا ہے کہ اس میں حکمت ہے کہ مخلوق کو تعلیم کرنا مقصود ہے۔ (لیعلم المخلوق التبثت فی الامور) تا کہ مخلوق کو جملہ امور میں اطمینان وتحمل کا سبق حاصل ہو کہ اگر کسی مقصود کے حصول میں دیر ہو جائے تو گھبرانا نہیں، دیکھو ہم نے اتنے بڑے قادر ہونے کے ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ ''آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے'' میں اتنی دیر لگائی حالانکہ ہم کو جلدی پیدا کرنا بھی آسان تھا پھر باوجود آسان ہونے کے ہم نے اتنی دیر لگائی اور تم تو قادر بھی نہیں۔

طالب کی شان

اور حصول مقصد بھی تم کو مشکل ہے پھر تم جلدی کیوں کرتے ہو۔ بس طالب کی شان تو یہ ہونا چاہیے:

دست از طلب ندارم تا کام من برآید یا تن رسد بجاناں یا جان زتن برآید

''طلب سے باز نہ رہوں گا جب تک میرا مقصد پورا نہ ہو جائے یا تو تن محبوب حقیقی کے پاس پہنچ جائے یا جان تن سے نکل جائے''

اگر کسی حالت طلب میں مرجائے گا تو انشاء اللہ مرنے کے بعد تکمیل کر دی جائے گی۔ چنانچہ قرآن کی نسبت حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن شریف یاد کرتا ہو اور پورا یاد ہونے سے پہلے مرجائے تو اللہ تعالیٰ قبر میں اس کے پاس ایک فرشتہ کو بھیجتے ہیں وہ اسے پورا قرآن شریف یاد کرا دیتا ہے۔ اس واسطے آدمی کو چاہیے کہ طلب میں مشغول رہے اور کام کیے جائے اور حصول مقصود میں تعجیل نہ کرے[1]۔ ہاں پہلے یہ تحقیق کر لے کہ میں رستہ پر بھی چل رہا ہوں یا نہیں۔

(۱) جلدی نہ کرے۔

جب یہ معلوم ہوجائے کہ راستہ پر چل رہا ہوں تو بس پھر اطمینان کے ساتھ چلتا رہے کبھی نہ کبھی مقصود تک پہنچ ہی جائے گا اور راستہ ہی غلط ہے تو جتنا چلے گا اتنا ہی دور ہوتا جائے گا اس لئے اس کی تحقیق ضروری ہے اور راستہ پر پڑ جانے کے بعد پھر یہ کوشش نہ کرے کہ وصول جلدی ہی ہوجائے اگر دنیا میں بھی وصول نہ ہوا تو انشاء اللہ مرنے کے بعد تکمیل ہوجائے گی۔

ایک قسم کا دوام

ہاں یہ شرط ہے کہ برابر طلب میں لگا رہے، دوام طلب کو(۱) ہاتھ سے جانے نہ دے اور اگر کبھی کبھی معمول (۲) ناغہ ہوجاتا ہو تو اس سے بھی نہ گھبرائے بلکہ ناغہ کے بعد پھر کام میں لگ جائے یہ بھی ایک قسم کا دوام ہے(۳) کہ کبھی ہوا اور کبھی نہ ہوا کبھی کبھی ناغہ ہوجانے کو دوام کے خلاف نہ سمجھو اور اس سے گھبرا کر طلب سے ہمت نہ ہارو۔ دیکھو جو شخص دس مرتبہ روزانہ وظیفہ پڑھتا ہے تو اس وقت سے دوسرے وقت تک کتنے گھنٹے ذکر سے خالی گزر جاتے ہیں یہ بھی تو ناغہ ہے مگر پھر بھی اس کو دوام کہا جاتا ہے تو اسی طرح ایک صورت دوام کی یہ بھی ہے کہ درمیان میں بجائے گھنٹوں کے ایام کا(۴) ناغہ ہوجائے مولانا فرماتے ہیں:

دوست دارد دوست ایں آشفتگی کوشش بیہودہ بہ از خفتگی

''محبوب حقیقی اس آشفتگی یعنی طلب کو پسند فرماتے ہیں۔ اگرچہ بے ثمر ہوگا مگر تعطل سے بہتر ہے(۵)''

غرض بالکل نہ ہونے سے ناغہ کے ساتھ کام میں لگا رہنا بھی مفید ہے۔

(۱) ہدایت کو اللہ سے ہمیشہ طلب کرتا رہے (۲) روزمرہ تسبیحات و ذکر میں اگر ناغہ ہوجائے (۳) یہ بھی ایک قسم کی پابندی ہی ہے (۴) دنوں کا (۵) بالکل ترک کرنے سے بہتر ہے۔

پس جس طرح ہو سکے طلب کو نہ چھوڑو انشاء اللہ کسی وقت کامیاب ہو جاؤ گے۔

اندریں رہ می تراش و می خراش تادم آخر دمے فارغ مباش
تادم آخر دمے آخر بود کہ عنایت با تو صاحب سر بود

''اس طریق وصول الی اللہ میں ہمیشہ ادھیڑ بن میں لگے رہو اور آخر وقت تک ایک لحظہ بھی فارغ مت رہو اس وقت تک کوئی گھڑی آخر ایسی ضرور ہوگی جس میں عنایت ربانی تمہاری ہمراز اور رفیق بن جائے گی''

ذکر کا فائدہ

وصول جب ہوتا ہے دفعۃً ہوتا ہے(۱)۔ بعض دفعہ ایک بار خدا کا نام دل سے اس طرح نکلتا ہے جو سالک کو واصل کر دیتا ہے اس لئے جتنا ہو سکے اس کو بیکار نہ سمجھو چاہے قاعدہ سے ہو یا بے قاعدہ ناغہ سے ہو یا بلاناغہ کرتے رہو اسی طرح ایک دن عنایت ہو جائے گی۔ حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں:

بس ہے اپنا ایک نالہ بھی اگر پہنچے وہاں گرچہ کرتے ہیں بہت سے نالہ وفریاد ہم

دیکھو جب کوئی شخص کھانا کھاتا ہے تو پہلے ہی لقمہ سے پیٹ نہیں بھرتا بلکہ آخر میں ایک لقمہ ایسا ہوتا ہے جس کے پہنچتے ہی پیٹ بھر جاتا ہے۔ اسی طرح بندہ جب ذکر و شغل میں مشغول ہوتا ہے تو پہلے ہی دن واصل نہیں ہوتا بلکہ آخر میں ایک دفعہ اللہ کا نام اس طرح لیتا ہے کہ اس پر جذبہ غیبی وارد ہو جاتا ہے جو سالک کو دفعۃً واصل کر دیتا ہے مگر وہ ہوتا ہے ان اعمال ہی کے بعد (جیسے پیٹ تو آخری لقمہ سے بھرتا مگر جب ہی کہ اس سے پہلے اور بھی لقمہ پہنچ چکے ہوں''

تزکیہ میں مشغول رہنے کی ضرورت

اسی طرح ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا﴾ ''جس نے اپنے نفس کو رذائل سے

(۱) اچانک۔

پاک کیا کامیاب ہوگیا'' میں حق تعالیٰ نے تزکیہ پر فلاح کو مرتب (۱) فرمایا ہے پس تزکیہ میں مشغول رہنا چاہیے تزکیہ ہو یا نہ ہو تم اس کی فکر میں نہ پڑو تزکیہ کرتے کرتے ایک دن ایسا ہوگا کہ دفعۃً تزکی حاصل ہوجائے گی۔ بس سالک کو اتنا ضرور ہے کہ اپنے اعمال کو دیکھتا رہے کہ ان میں خلاف شریعت تو کوئی بات نہیں جب اعمال درست ہوں تو بے فکری کے ساتھ کام میں لگا رہے یہ انشاء اللہ کامیاب ہوگا چاہے احوال وکیفیات ہوں یا نہ ہوں انوار وتجلیات وارد ہوں (۲) یا نہ ہوں۔ اسی کو عارف شیرازی فرماتے ہیں:

در راہ عشق وسوسہ اہرمن بس ست بشدار گوش رابہ پیام سروش دار

''طریق عشق میں شیطان کے وساوس بہت ہیں ہوشیار رہو اور وحی کی طرف کان لگائے رہو''

یہاں پیام سروش سے وحی مراد ہے کہ احکام وحی کے ساتھ اپنے اعمال کا موازنہ کرتے رہو۔ اگر اعمال میں تو خلاف شرع کوئی بات نہیں مطمئن ہوتم صراط مستقیم پر چل رہے ہو، کسی دن ضرور مقصود پر پہنچو گے۔ واللہ اس راہ میں وہی رہبر ہے (۳)۔ سالک کو چاہیے کہ شریعت کو اپنا امام بنالے، شریعت کے خلاف کوئی کام نہ ہوتو پھر کوئی خطرہ نہیں (۴) جو حالت بھی پیش آئے وہ مضر نہ (۵) ہوگی۔ یہاں تک ایک غلطی کی اصلاح تھی۔

سالکین کی دوسری غلطی

دوسری غلطی یہ ہے کہ بعض لوگ یہ سن کر چاہے ثمرہ حاصل ہو یا نہ ہو کام میں لگا رہنا چاہیے۔ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ بس کام کرو چاہے تکمیل ہو یا نہ ہو اور یہ سمجھ کر

(۱) کامیابی تزکیہ کی بدولت ہوگی (۲) اللہ کی تجلیات اور انوار کا ظہور ہو یا نہ ہو (۳) شریعت ہی اس راہ میں سب سے بڑا راہبر ہے (۴) کوئی پریشانی (۵) نقصان دہ نہ ہوگی۔

ادنیٰ درجہ کا عمل کرنے لگتے ہیں۔ مثلاً نماز وذکر میں از خود وساوس لانے لگے حالانکہ ناقص عمل حصول مقصود کے لئے کافی نہیں تکمیل جب ہوتی ہے اعلیٰ درجہ کے عمل سے ہوتی ہے جو عمل غفلت کے ساتھ کیا جائے اس سے باطنی نفع نہیں ہوتا۔ (پس خوب سمجھ لو کہ جب تک کامل عمل پر قدرت نہ ہو اس وقت تک تو ناقص عمل ہی کو غنیمت سمجھ کر کرتے رہو اور تکمیل کی کوشش میں لگے رہو، ہمت نہ ہارو اور جب ناقص عمل پر کچھ دنوں دوام کر کے عمل کامل پر قدرت حاصل ہو جائے اس وقت عمل ناقص کو کافی نہ سمجھو بلکہ عمل کامل کا اہتمام اب بھی کرو، ناقص میں لگے رہے تو تکمیل نہ ہو سکے گی۔

ناقص عمل کو ہمیشہ کافی سمجھنا غلطی ہے

اس کی ایسی مثال ہے کہ بچہ جب تک روٹی کھانے کے قابل نہ ہو اس وقت تو اس کو دودھ پر اکتفا کرنا جائز ہے اور نشوونما کو مانع نہیں (۱) لیکن جب وہ دو برس کا ہو کر روٹی ہضم کرنے کے قابل ہو جائے اب اس کو دودھ پر اکتفا جائز نہیں بلکہ اب اسے روٹی کھانا چاہیے اور دودھ کو بالکل چھوڑ دینا چاہیے۔ اگر وہ اب بھی دودھ پر اکتفا کرے گا تو نشوونما میں قصور رہے گا (۲) اور وہ مرد کامل نہ ہو سکے گا۔ پس پہلی غلطی کا تو حاصل یہ تھا کہ بعض سالکین اول ہی سے کمال کی ہوس کرنے لگتے ہیں جیسے کوئی بچہ شروع ہی سے اگر دودھ کے بجائے روٹی کی ہوس کرنے لگے تو ان سے کہا جاتا ہے کہ ابھی کمال کی ہوس نہ کرو بس کام میں لگے رہو چاہے ناقص ہی ہو، ہمت نہ ہارو۔ اور دوسری غلطی کا حاصل یہ ہے بعض لوگ ناقص عمل ہی کو ہمیشہ کے لئے کافی سمجھنے لگے۔ جیسے بچہ کا ہمیشہ کو دودھ ہی پر اکتفا کرنا

(۱) اسکی بڑھوتری کو روکنے والا نہیں (۲) تو بڑھے گا نہیں۔

چاہے تو ان سے کہا جاتا ہے کہ ہمیشہ کے لئے کافی نہیں۔ جب عمل کامل پر قدرت ہوجائے تو اب عمل کامل کا اہتمام کرو ناقص کو پس پشت چھوڑو (۱)

وسوسہ میں مشغول فعل اختیاری ہے

بعض لوگ وساوس کو خود تو نہیں لاتے مگر اس مقام پر شیطان ایک اور دھوکہ دیتا ہے وہ یہ کہ خطرہ اولاً (۲) تو بے اختیار ہی آیا مگر پھر یہ شخص اپنے اختیار سے اس میں مشغول ہوگیا اور یہ سمجھتا رہا کہ یہ تو بے اختیاری خطرہ تھا حالانکہ اس کا حدوث (۳) صرف غیر اختیاری تھا باقی اس میں مشغول اور اس کا بقاء تو غیر اختیاری نہ تھا بلکہ یہ فعل اختیاری ہے پس ورود تو مضر نہ ہوگا۔ مگر اس میں مشغول ہونا مضر (۴) ہوگا۔ چنانچہ احادیث میں نامحرم پر پہلی نظر (جو فجاۃ اچانک پڑ جائے ۱۲) معاف ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے وعلیك الاخرۃ ''مضر تمہارے لئے دوسری نظر ہے'' کیونکہ دفعۃً نظر پڑ جانا تو بے اختیاری بات ہے کہ پہلے سے خبر ہی نہ تھی کہ سامنے سے کون آرہا ہے۔ اچانک سامنا ہوگیا لیکن نظر پڑنے کے بعد نگاہ کو نہ ہٹانا اور برابر گھورتے رہنا اور نظر جمانا یہ تو اختیاری ہے یہاں بھی بعض لوگوں کو وہی دھوکہ ہوا ہے جو وسوسہ میں بعضوں کو ہوتا ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ دوسری نظر یہ ہے کہ ایک بار نظر ہٹا کر پھر دوبارہ نظر کی جائے اور اگر نظر نہ ہٹاوے بلکہ برابر دیکھتا رہے تو گناہ نہیں کیونکہ یہ سب تو اول ہی نظر میں داخل ہے۔ اس کا حل آیت: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ ''اللہ تعالیٰ کسی شخص کو وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے'' نے کردیا ہے اس میں فیصلہ ہے کہ غیر اختیاری بات پر مواخذہ نہیں اور اختیاری پر مواخذہ ہے

(۱) ناقص کو چھوڑ دو (۲) پہلے تو وسوسہ بغیر اختیار کے آیا تھا (۳) اس کا آنا (۴) پس وسوسہ کا آنا نقصان دہ نہیں لانا نقصان دہ ہے۔

اب خود دیکھ لو کہ نظر جمانا اختیاری ہے یا غیر اختیار ہے۔ یقیناً اس میں اختیار کو دخل ہے تو اس پر ضرور مواخذہ ہوگا۔

معنیٰ حدیث میں تحریف

ایک محرف (۱) درویش نے لك الاولیٰ ''تمہاری پہلی نظر معاف ہے) میں اوپر کا بدن دیکھنا مراد لیا ہے، علیك الاخرۃ ''دوسری نظر تمہارے لیے مضر ہے'' میں نیچے کا بدن دیکھنا وہ کہتے تھے کہ اوپر کا بدن جنت ہے اور نیچے کا بدن دوزخ اور جنت تعلق رضوان سے ہے اور دوزخ کا مالک سے (۲) اور رضوان عورت کی رضا ہے اور مالک شوہر ہے۔ پس اوپر کا بدن دیکھنا تو عورت کی رضا سے جائز ہے اور نیچے کا بدن مالک کا حق ہے یعنی شوہر کا استغفر اللہ کیا واہیات بات ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر مالک اجازت دے دے تو شاید یہ اسفل (۳) دیکھنا بھی جائز کر لیں گے تو یہ ایسے ایسے خیالات پکا کر وسعت نکالے گا تو ضرور اس کے اعمال ناقص رہیں گے اور ناقص اعمال پر ثمرہ مرتب نہیں ہوتا (۴) تو یہ عمر بھر ناکام رہے گا۔ باقی فضل کی اور بات ہے ورنہ قاعدہ یہی ہے۔

وصول کے لئے مجاہدہ کی ضرورت

چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:" والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا" (جو لوگ ہمارے راستہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے دکھا دیں گے)اس سے معلوم ہوا کہ وصول کیلئے مجاہدہ کی ضرورت ہے اور ظاہر ہے کہ ناقص عمل میں مجاہدہ نہیں ہوتا بلکہ مزہ آیا کرتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص حساب کر رہا تھا اور ایک دوسرا آدمی اسے باتوں میں لگا لے جس سے حساب میں خلل پڑنے لگا تو اس

(۱)ایک درویش نے حدیث کے معنی میں تحریف کی (۲) دروغہ جنت کا نام رضوان اور دروغہ دوزخ کا نام مالک ہے(۳) نیچے کا بدن دیکھنا (۴) نامکمل اعمال پر نتیجہ مرتب نہیں ہوتا۔

شخص نے کھڑے ہو کر نماز کی نیت باندھ لی اور حساب سوچنے لگا تو اس میں خاک مجاہدہ ہوگا بلکہ اس میں تو مزہ آئے گا چنانچہ اسی مزہ کی وجہ سے نماز میں حساب خوب یاد آتا ہے نماز میں دنیا کی باتیں یاد آجانے پر ایک قصہ یاد آگیا۔

شیطان کا چیزوں کو بھلا دینا

ایک شخص نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا میں نے گھر میں ایک جگہ روپیہ دفن کیا تھا اب وہ جگہ بھول گیا، کسی طرح یاد نہیں آتی کوئی ترکیب بتلایئے جس سے جگہ یاد آجائے۔ اول تو امام صاحب نے عذر کیا کہ بھائی اس کی ترکیب میں کیا بتلاؤں کوئی شرعی مسئلہ پوچھو تو میں بتلا سکتا ہوں مگر جب اس نے زیادہ اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ جا کر نماز پڑھو اور یہ عزم کرلو کہ جب تک وہ جگہ یاد نہ آئے گی برابر نماز پڑھتا رہوں گا چنانچہ اس نے دو ہی رکعتیں پڑھی تھیں کہ جگہ یاد آگئی۔ اس کا راز پوچھنے پر امام صاحب نے فرمایا کہ اس کو شیطان نے پریشان کرنے کیلئے بھلا رکھا تھا۔ اس لئے میں نے یہ تدبیر بتلائی کہ میں جانتا ہوں کہ شیطان کو یہ کب گوارا ہوگا کہ ساری رات نماز پڑھے اس لئے اس نے جلدی ہی یاد دلا دیا۔ مگر یہ ترکیب ہر جگہ کام نہیں دے سکتی یہ ترکیب وہاں کام دیتی ہے جہاں نسیان شیطان کے سبب ہو طبعی نہ ہو یہ امام صاحب کا کمال ادراک تھا کہ اس شخص کی حالت سے سمجھ گئے کہ اس کو طبعی نسیان نہیں ہے(۱) بلکہ شیطانی نسیان ہے شیطان نے پریشان کر رکھا ہے اس کا یہ علاج بتلا دیا کہ نماز پڑھتے رہو یاد آجائے گا کیونکہ شیطان جب یہ دیکھے گا کہ بدوں(۲) میرے یاد کرائے یہ شخص نماز سے باز نہ

(۱) حافظہ کمزور ہونے کے سبب بھولنے کی عادت نہیں بلکہ شیطان نے بھلایا ہے (۲) بغیر میرے یاد کرائے۔

آئے گا تو جلدی یاد دلا دے گا۔ غرض نماز میں شیطان ایسی باتیں خوب سوجھاتا ہے اسی لیے حساب بھی نماز میں خوب یاد آتا ہے جس طرح نیند بھی خوب آتی ہے۔

دراصل نیند یکسوئی میں آتی ہے

ایک شخص نے کسی بزرگ سے پوچھا کہ حضرت کیا بات ہے کہ نماز میں تو نیند آتی ہے اور ناچ رنگ میں نہیں آتی۔ فرمایا میاں پھولوں کی سیج پر تو نیند آتی ہے، کانٹوں پر کیسے نیند آتی ہے۔ یہ جواب ان بزرگ نے اپنی حالت کے موافق دیا ورنہ ہر شخص کے اعتبار سے صحیح نہیں کیونکہ بعضوں کو پاخانہ میں بھی نیند آتی ہے اور باتیں بھی خوب یاد آتی ہیں بلکہ دراصل وجہ یہ ہے کہ نیند یکسوئی میں آیا کرتی ہے نماز کی چونکہ مشق ہے اس لیے قرأت وغیرہ پر توجہ کی ضرورت نہیں ہوتی تو وہ سب بلا قصد(۱) ادا ہوتی رہتی ہے تو اس ذہن کو یکسوئی ملتی ہے اور ناچ رنگ میں ذہن کو یکسوئی نہیں ہوتی اس طرح توجہ رکھتا ہے جس میں قوت فکریہ کو حرکت رہتی ہے اس لیے نیند نہیں آتی (اور اگر کوئی شخص نماز بھی مشق پر نہ پڑھے بلکہ ہر ہر لفظ کو توجہ سے ادا کرے تو اس کو نماز میں بھی حرکت فکریہ کی وجہ سے نیند نہ آئے گی ۱۲) اب اگر کوئی واعظ یہ نکتہ بیان کرنا چاہے کہ تمھاری کیسی نماز ہے کہ پاخانہ میں بھی تم کو نیند آتی ہے اور نماز میں بھی تم نے دونوں کو برابر کر دیا تو نکتہ کے طور پر بیان کر سکتا ہے مگر تحقیقاً یہ ٹھیک نہیں کیونکہ سبب اس تساوی کا امر عارض ہے(۲) یعنی قوت فکریہ کے استعمال نہ کرنے میں اشتراک بہر حال ناقص عمل سے ترقی نہیں ہوتی کیونکہ اس میں مجاہدہ نہیں ہوتا بلکہ نفس کو مزہ آتا ہے اور مجاہدہ میں مزہ کہاں یہاں شاید کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ مزہ تو دلیل نقصان عمل کی نہیں اور کمال عمل کے منافی نہیں۔

(۱) بلاارادہ (۲) دونوں حالتوں کا برابر ہونا ایک عارض کی وجہ سے ہے۔

نماز میں حضور ﷺ کے سہو کا سبب

کیونکہ حضور ﷺ کو بھی نماز میں مزہ آتا تھا چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے: (وجعلت قرة عینی فی الصلوٰة) ''یعنی نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈ ہے'' جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ آپ کو یہ بھی خبر ہے کہ حضور ﷺ کو نماز میں کس بات سے مزہ آتا تھا آپ کو توجہ الی الحق (۱) سے مزہ آتا تھا اور تم کو توجہ الی الغیر سے مزہ آتا ہے توجہ الی الحق سے مزہ نہیں آتا (۲) بلکہ اس میں مجاہدہ کرنا پڑتا ہے اس لیے تمھاری نماز میں وہ بات مجاہدہ سے پیدا ہوگی جو حضور ﷺ کو بلا مجاہدہ حاصل تھی اسی طرح حضور ﷺ کو جو نماز میں سہو ہوا ہے اس کا سبب بھی غلبہ توجہ الی الحق تھا اس سے چاہے توجہ الی الصلوٰۃ میں کمی ہو جاتی تھی اور تم کو سہو ہوتا ہے۔ دنیوی امور کی طرف توجہ کر کے توجہ الی الصلوٰۃ میں کمی ہونے سے غرض نہ ہمارا مزہ اور آپ کا مزہ برابر اور نہ ہمارا سہو اور آپ کا سہو برابر بس آپ کے مزہ پر اپنے مزہ کو قیاس کر کے وسوسہ والی نماز کو ناقص سمجھنا نری حماقت ہے۔

تزکی مامور بہ نہیں

بہر حال تزکیہ میں سالکین کو دو طرح کی غلطی واقع ہوتی ہے ایک یہ کہ تزکی کو مطلوب سمجھتا ہے اور جلدی مرتب عمل کامل نہ ہونے کی وجہ سے مغموم ہو کر ہی معطل ہو جاتا ہے (۳) اور دوسری یہ کہ تزکی کو مطلوب نہیں سمجھتا۔ اس لیے عمل ناقص پر جس پر تزکی مرتب نہیں ہوتی اکتفا کرتا ہے۔ سو یہ دونوں جماعتیں غلطی پر ہیں۔ حق تعالیٰ نے پہلی جماعت کی غلطی کو " قد افلح من زکھا " (جس نے اپنے نفس کو تزکیہ کر لیا کامیاب ہو گیا) میں رفع فرمایا ہے کہ تم خود تزکیہ کو مقصود سمجھو تزکی کا (۴) انتظار نہ کرو،

(۱) اللہ کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ سے (۲) غیر کی طرف متوجہ ہونے سے مزہ آتا ہے (۳) عمل چھوڑ بیٹھتا ہے (۴) تزکیہ کو مقصود سمجھو پاک ہونے کا انتظار نہ کرو۔

ضرور کامیاب ہو جاؤ گے اور دوسری جماعت کی غلطی ایک دوسری آیت میں رفع فرمادی (قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا) (جس کا نفس پاک ہوگیا وہ کامیاب ہوگیا) اس میں فلاح کو حصول تزکی پر موقوف فرمایا ہے۔ بتلادیا کہ گو مامور بہ تزکیہ ہے تزکی مامور بہ نہیں (۱) مگر تزکیہ وہی مامور بہا ہے۔ جس پر تزکی مرتب ہو جائے اور وہ ایسا تزکیہ ہے جس میں تکمیل اعمال کا اہتمام ہو، اختیار اسباب تکمیل سے غفلت اور تکاسل نہ ہو (۲)۔ حاصل یہ ہوا کہ ناقص تزکی مرتب ہو جائے گی۔ اگرچہ تزکیہ کے وقت ثمرہ تزکی پر نظر نہ کرو بلکہ نظر عمل ہی پر رکھو لیکن عمل وہی اختیار کرو جو مؤثر ہو حصول تزکی میں۔

طالب جاہل اور قانع جاہل

پس ایک آیت میں طالب جاہل کی اصلاح ہے اور دوسری آیت میں قانع جاہل کی (۳)۔ طالب جاہل وہ ہے جو ثمرہ مرتب نہ ہونے سے عمل کو چھوڑ دے اور قانع جاہل وہ ہے جو ناقص عمل پر قناعت کرے۔ اب یہاں پر ایک شبہ اور ہے وہ یہ کہ جب تزکی تدریجاً حاصل ہوتی ہے اور وہاں فلاح اس کو ہوگی جو تزکی حاصل کر چکا ہو۔ تو ممکن ہے وہ کوئی شخص تزکیہ میں مشغول ہو اور تدریجاً اسے تزکی حاصل ہو رہی ہو جو درجہ کمال کو ابھی نہیں پہنچتی تھی کہ یہ پہلے ہی مر گیا تو کیا اس کو فلاح نہ ہوگی جواب اس کا سادہ یہ ہے کہ (قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا) میں حصول تزکی پر فلاح کو موقوف کیا گیا ہے یہ اس شخص کے لئے ہے جس کو اتنا وقت ملا تھا کہ اگر وہ برابر تزکیہ میں مشغول رہتا تو تزکی حاصل ہو جاتی۔ یہ شخص اپنی سستی کی وجہ سے قبل حصول تزکی مر گیا تو ناکام مرے گا اور جس کو اتنا وقت ہی نہ ملا جس میں تزکی حاصل

(۱) حکم تزکیہ کا ہے تزکی کا نہیں (۲) سستی (۳) تھوڑے عمل پر اکتفاء کرنے والا جاہل

کر لیتا وہ اگر قبل مقصود مر جائے تو نا کام نہیں اس لیے " قد افلح من زکھا " (جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا وہ پاک ہو گیا) کے موافق یہ تزکیہ ہی تزکی کے حکم میں ہے مگر بشرط عدم انقطاع نامرادی کو مولانا بحکم بامرادی فرماتے ہیں:

گر مرادت را مذاق شکر است بے مرادی نے مراد دلبر است

(اگر چہ تمھاری مراد شکر کی طرح پسندیدہ کیا بے مرادی محبوب کی مراد نہیں ہے)

صلح حدیبیہ فتح مبین

مولانا نے " انا فتحنا لك فتحا مبينا " (ہم آپ کو عنقریب فتح مبین عطا فرمائیں گے) کی تفسیر بھی اسی قاعدہ سے کی ہے۔ یہ تو تمام مفسرین کے نزدیک مسلم ہے کہ اس آیت کا نزول صلح حدیبیہ کے بارے میں ہوا ہے مگر اس میں اختلاف ہوا ہے کہ یہاں صلح حدیبیہ کو فتح مبین کہا گیا ہے یا فتح مکہ مراد ہے۔ بعض نے تو یہ کہا ہے فتح مبین سے فتح مکہ مراد ہے اور " انا فتحنا لك " صیغہ ماضی بمعنی مضارع ہے یعنی " انا سنفتح فتحا لك مبينا " (ہم آپ کو عنقریب فتح مبین عطا فرمائیں گے) مضارع کو بصورت ماضی تیقن و تحقق (۱) ظاہر کرنے کے لیے لایا گیا اور بعض نے یہ کہا کہ فتح مبین سے خود صلح حدیبیہ ہی مراد ہے اس کو مجازاً فتح مبین کہہ دیا گیا کیونکہ صلح حدیبیہ فتح مکہ کا سبب بن گئی تھی اور وہ حقیقت میں فتح مبین ہے۔ مولانا سب سے الگ یہ فرماتے ہیں کہ فتح حدیبیہ اگر فتح مکہ کا سبب ہی نہ ہوتی جب بھی کسی کو حقیقتاً فتح مبین کہا گیا ہے کیونکہ جو ناکامی بقصد کامیابی ہو وہ کامیابی ہی ہے حضور ﷺ کو صلح حدیبیہ سے مقصود فتح مکہ ہی تھا۔ حق تعالیٰ نے فرمادیا کہ آپ کو نیت فتح کی وجہ سے اسی وقت فتح مبین کا ثواب مل گیا۔ لہذا آپ

(۱) یقینی فتح کے ظہور کے اظہار کے لئے ذکر کیا گیا۔

آج ہی سے فاتح ہیں خواہ فتح کا وقوع ہو یا نہ ہو (سبحان اللہ یہ تفسیر سب سے اعلیٰ ہے کیونکہ اس میں کسی تکلف کی حاجت نہیں نہ کلام حقیقت سے بدلتا ہے ۱۲) اسی طرح یہاں سمجھو کہ جب انسان تزکیہ بقصد تزکی کرتا ہے اور اس کو اتنا وقت نہیں ملا کہ تزکی حاصل ہو تو اس کیلئے تزکیہ ہی بحکم تزکی ہے۔ غرض مقصود عمل ہے حتیٰ کہ یصل (۱) خواہ وصول دنیا میں ہو یا آخرت میں۔

ملائکہ بھی اجتہاد کرتے ہیں

اب مقولہ صوفیا کا مطلب حل ہو گیا کہ کامیابی کا قصد نہ کرو یعنی جب عمل بقصد کامیابی ہو تو حصول کامیابی کی فکر میں نہ پڑو تم محروم نہ رہو گے ضرور کامیاب رہو گے۔ اگر دنیا میں بھی کامیابی نہ ہوئی تو آخرت میں ہو جائے گی۔ جیسے حدیث میں ایک قصہ آیا ہے کہ ایک شخص نے ننانوے خون کئے تھے پھر اسکو توبہ کا خیال ہوا تو ایک عالم کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اتنے خون کئے ہیں اب میری توبہ قبول ہوسکتی ہے یا نہیں۔ عالم نے کہا نہیں تیری توبہ قبول نہیں ہوسکتی اس کو غصہ آ گیا اور اس عالم کو ختم کر کے پورے سو کر دئے پھر دوسرے عالم کے پاس گیا (شاید ان کو پہلے عالم کا قصہ معلوم ہو چکا ہوگا) ان سے پوچھا کہ میری توبہ قبول ہوسکتی ہے یا نہیں انہوں نے کہا کہ حق تعالیٰ کی رحمت کا دروازہ ہر شخص کے لئے کھلا ہوا ہے اگر تو توبہ سچے دل سے کرے گا تو ضرور قبول ہوگی لیکن تیری توبہ کی شرط یہ ہے کہ اپنی بستی کو چھوڑ کر فلاں بستی میں جا کر سکونت اختیار کر (کہ وہاں صلحاء رہتے ہیں صحبت نیک سے تیری کامل اصلاح ہو جائے گی) غرض انہوں نے ہجرت عن الوطن (وطن سے ہجرت کو قبول توبہ کی شرط قرار دیا)۔ اس شخص کے دل میں

(۱) مقصود عمل ہے یہاں تک کہ وصول ہو جائے چاہے دنیا میں یا آخرت میں۔

طلب پیدا ہوگئی تھی اس لئے وطن سے بہ نیت ہجرت چلا، راستہ ہی میں تھا کہ اس کی موت آگئی، اس نے اتنا کیا کہ مرتے مرتے بھی اس بستی کی طرف گھسٹتا رہا جہاں ہجرت کر کے جا رہا تھا۔ چنانچہ نزع کے وقت بھی اس نے اپنے سینہ کو اس زمین کی طرف بڑھا دیا کہ جس قدر سعی ممکن ہے (جتنی کوشش ہو سکے وہ تو کرلوں) بس یہ عمل مقبول ہوگیا۔ چنانچہ اس کے انتقال کے وقت ملائکہ رحمت و ملائکہ عذاب دونوں آئے اور ان میں باہم اختلاف واقع ہوا۔ ملائکہ رحمت کہتے تھے کہ یہ جنتی ہے کیونکہ یہ بقصد توبہ ہجرت کر کے اپنے وطن سے چل پڑا تھا اب پہنچنا نہ پہنچنا تقدیری بات ہے اس نے تو اپنی سی کوشش تکمیل توبہ میں کرلی ہے۔ ملائکہ عذاب نے کہا کہ نہیں یہ دوزخی ہے کیونکہ ساری عمر گناہوں کا مرتکب رہا ہے اور اخیر میں توبہ بھی کی ہے تو وہ بھی ناقص ہے ابھی اس کی توبہ صحیح نہیں ہوئی تکمیل توبہ کے لئے زمین صلحاء میں پہنچ جانا شرط تھا اور یہ ابھی پہنچا نہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ملائکہ بھی استنباط واجتہاد کرتے ہیں۔ پہلے میں یہ سمجھتا تھا کہ ملائکہ اجتہاد نہیں کرتے بلکہ ہر امر میں ان کے پاس نص آتی ہے جیسا کہ ﴿یفعلون مایؤمرون﴾ (وہ وہی کرتے ہیں جسکا انکو حکم کیا جاتا ہے) سے بظاہر معلوم ہوتا ہے مگر اس حدیث سے ثابت ہوا کہ وہ بھی اجتہاد کرتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس بھی بعض دفعہ نص کلیت کے ساتھ آتی ہے اور جزئیات میں استنباط کرتے ہیں(۱) (فرشتوں کو بھی بعض دفعہ کلیات بتادئے جاتے ہیں پھر وہ جزئی مسائل خود مستنبط کرتے ہیں) جس میں بعض اوقات اختلاف کی بھی نوبت آتی ہے اگر استنباط نہ کرتے تو ان میں باہم

(۱) فرشتوں کو بھی بعض دفعہ کلیات بتادیے جاتے ہیں پھر وہ جزئی مسائل خود کر مستنبط کرتے ہیں۔

اختلاف نہ ہوا کرتا۔اب حق تعالی نے اس معاملہ کا فیصلہ کرنے کے لئے ایک اورفرشتہ بھیجا۔اس نے یہ فیصلہ کیا کہ اس کی لاش سے دونوں طرف کی زمین کی پیائش کرلو،اگراس کا وطن نزدیک ہوتو یہ دوزخی ہے اوراگر جائے ہجرت نزدیک ہوتو جنتی ہے۔چنانچہ زمین ناپی گئی اور واقع میں وطن ہی کی زمین نزدیک تھی مگرحق تعالی کاوطن کی زمین کوحکم ہوا کہ دورہوجاؤاورہجرت کی زمین کوحکم ہوا کہ نزدیک ہوجا۔چنانچہ جائے ہجرت بالشت بھرنزدیک نکلی (اور یہ وہی مقدارتھی جونزع کے وقت اس نے کچھ حرکت کی تھی) آخرکار وہ جنتی قرارپایااورملائکہ رحمت کے سپردہوا۔اس سے معلوم ہوا کہ جوعمل بقصد کامیابی کیاجائے اس میں اگردنیامیں ناکامی بھی رہےتو آخرت میں یہ ناکامی کامیابی ہی کے برابرشمارہوتی ہے۔

قلت واليه الاشارة فی قوله تعالیٰ ومن يخرج من بيته مهاجرا الی الله ورسوله ثم يدركه الموت فقدوقع اجره علی الله ''جوشخص اللہ اوراس کے رسول ﷺ کی طرف ہجرت کرے پھراس کوراستہ میں موت آجائےتواس کا اجر اللہ تعالی کے ذمہ ہوگیا۔''

وقال ﷺ نيت المؤمن من ابلغ من عمله ''مؤمن کی نیت اس کےعمل سے ابلغ ہے''

وصال وہجر کامفہوم

اسی وجہ سےصوفیاء نے کہاہے کہ تم عمل کامیابی کے لئے کرواورایسےعمل کااہتمام کروجوکامیابی کی طرف مفضی (پہنچانے کے قابل) ہومگرعمل شروع کرکے حصول ثمرہ کی فکرمیں نہ پڑوپھربھی کامیابی نہ ہوتوتم کامیاب ہی شمارہوگے۔اسی کوایک بزرگ فرماتے ہیں:

اریـد وصـالـه ویـریـد هـجـری فـاتـرك مـا اریـد لـمـا یـریـد

(میں اس کے وصال کا خواہش مند ہوں اور وہ فراق چاہتا ہے تو میں اس کی خوشی کی خاطر اپنی خواہش کو ترک کر دیتا ہوں) اور فرماتے ہیں:

میل من سوئے وصال ومیل اوسوئے فراق
ترک کام خودگرفتم تابرآیدکام او

''میرا میلان وصل کی طرف ہے اور اس کا میلان فراق کی طرف ہے اپنے میلان کو ترک کر دیا تا کہ محبوب کا مقصد پورا ہو جائے۔۔

وصال وہجر کے دو معنی ہیں ایک رضا وعدم رضا دوسرے قبض وبسط۔ یہاں رضا اور ہجر سے عدم رضا مراد نہیں بلکہ بسط وقبض مراد ہے کیونکہ اگر رضا وعدم رضا مراد ہو وصالہ کے ساتھ یرید ہجری جمع ہی نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ طالب رضا کے ساتھ حق کی طرف سے بھی رضا ہی متوجہ ہوتی ہے نہ کہ عدم (کما دل علیه النصوص الواضحة الصریحة ۱۲) ''نصوص واضح صریحہ اس پر دلالت کرتے ہیں'' اور قبض و بسط (۱) کو وصال وہجر (۲) سے اس لئے تعبیر کر دیتے ہیں کہ بسط صورت وصال ہے اور قبض صورت ہجر اور صورت اس لئے کہا کہ حقیقی وصال تو رضا ہی ہے اور اسی طرح حقیقی فراق (۳) عدم رضا ہے (۴) مگر سلوک میں سالک کو ایک حالت ایسی پیش آتی ہے جس کو وصال سمجھتا ہے اور اس میں ظاہری آثار بھی وصال کے ہوتے ہیں مثلاً انوار وتجلیات کی کثرت دل میں انشراح وانبساط وغیرہ اس کو بسط کہتے ہیں۔ (۵)۔

(۱) دل کی دو کیفیتوں کا نام ہے (۲) ملاقات جدائی (۳) حقیقی جدائی (۴) ناپسندگی (۵) دل میں انوار الٰہی کا ورود ہو جس سے مسرت حاصل ہو تو اس کو بسط کہتے ہیں۔

قبض کی حقیقت

اور بعض حالات ایسے پیش آتے ہیں جس کو سالک فراق وہجر سمجھتا ہے اور اس میں آثار بھی ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے محبوب سے جدا ہونے والے پر طاری ہوا کرتے ہیں مثلاً انوار وتجلیات سے قلب کا خالی ہونا دل میں بے چینی اور ظلمت کا محسوس ہونا وغیرہ۔ اس کو قبض کہتے ہیں (۱)۔

قرب صوری ومعنوی

مگر یہ حقیقت میں وصال وفراق نہیں ہے بلکہ محض ان کی صورت ہے ہوسکتا ہے کہ ایک شخص حالت قبض میں حقیقی وصال یعنی رضا سے مشرف ہو اور ایک شخص حالت بسط میں بعد حقیقی یعنی عدم رضا میں مبتلا ہو کیونکہ قرب صوری بعد معنوی حقیقی کے ساتھ اور بعد صوری قرب حقیقی معنی کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے (۲)۔

مثلاً ایک محبوب اپنے دشمن کو جو اس سے بھاگنا چاہتا تھا زبردستی اپنے دربار میں پکڑ بلائے اور وہ زنجیروں میں کسا ہوا اس کے سامنے حاضر کیا جائے اس وقت یہ شخص صورۃ قرب کے ساتھ موصوف ہے کیونکہ حسین کا چہرہ اس کے سامنے ہے مگر حقیقت میں بعد فراق سے متصف ہے کیونکہ دربار میں مجرم ہوکر آیا ہے اور ایک عاشق کو محبوب نے حکم دیا کہ ہمارے واسطے بازار سے فلاں چیز خرید لاؤ یہ اس وقت صورۃ محبوب سے دور ہے اور ظاہراً فراق وبعد (۳) میں مبتلا ہے مگر حقیقۃً یہ اس دوری میں بھی قرب ووصال سے کامیاب ہے کیونکہ محبوب کی رضا سے مشرف ہے (اسی کو سعدی نے فرمایا کہ وہ دوران باخبر نزدیک ونزدیکان بے خبر دور ۱۲)

(۱) دل انوار وتجلیات سے خالی ہو جس سے بے چینی اور ظلمت محسوس ہو اس کو قبض کہتے ہیں (۲) صورتاً قرب ہو اور حقیقتاً دوری اور صورتاً دوری ہو لیکن حقیقتاً قرب حاصل ہو یہ ہوسکتا ہے (۳) جدا ہے اور دور ہے۔

پس سالک کو بسط سے مطمئن اور قبض سے پریشان نہ ہونا چاہئے۔ اصل پریشانی کی چیز معاصی ہیں(۱) جو بعد حقیقی کے اسباب ہیں ان سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اگر اعمال درست ہوں تو پھر خواہ ہزار قبض ہو اور جو اعمال میں نقص ہے تو پھر خواہ لاکھ بسط ہو سب نا قابل اعتبار ہے۔

تخلیہ اور تحلیہ

اب میں ایک چھوٹی سی بات بیان کر کے مضمون کو ختم کرتا ہوں وہ یہ کہ حق تعالیٰ نے (قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا) ''جس نے تزکی حاصل کر لی کامیاب ہو گیا'' کے بعد فرمایا ہے(وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى) ''اپنے رب کا نام ذکر کیا پس نماز پڑھی'' اس میں تزکی کو ذکر وصلوۃ پر مقدم کیا گیا ہے(۲) اس سے تصوف کا ایک مسئلہ مستنبط ہوتا ہے وہ یہ کہ سلوک میں دو عمل ہوتے ہیں ایک تخلیہ اور ایک تحلیہ۔ اور تخلیہ کو تجلیہ وتصفیہ بھی کہتے ہیں۔ تخلیہ کے معنی ہیں رذائل کو زائل کرنا(۳) اور تحلیہ کے معنی ہیں فضائل کو حاصل کرنا تو لفظ تزکی میں اس طرف اشارہ ہے کہ رذائل کو زائل کرنا اور (وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى) ''اپنے رب کا نام ذکر کیا پس نماز پڑھی'' میں اس طرف اشارہ ہے کہ فضائل کو حاصل کرو اور ہر چند کہ تحصیل فضائل بھی تزکی میں داخل ہو سکتا ہے کیونکہ تزکی کے معنی ترک رذائل ہیں اور فضائل کا ترک بھی اس میں آ گیا اور ترک الترک ایجاد ہے(۴) اس لئے تحصیل فضائل بھی تزکی میں داخل ہو گیا۔ اور تحقیق اس کی یہ ہے کہ ترک کے دو درجے ہیں ایک ترک وجودی دوسرے ترک عدمی۔ ترک وجودی یہ ہے کہ کسی امر کو خواہ مامور بہ

(۱) گناہ (۲) تزکی کو ذکر اور نماز سے پہلے ذکر کیا (۳) بری عادات کو ترک کرنا (۴) جس کے ترک کا حکم ہو اس کو چھوڑنا ہی ایجاد ہے۔

ہو ما منہی عنہ(۱) احتمال وجود کے وقت ترک کیا جائے(۲)۔ مثلا ایک عورت سامنے سے گزری اور اس نے نظر کو اس طرف سے ہٹالیا اور بالکل نظر نہ کی تو یہاں ترک نظر ترک منہی عنہ کی مثال ہے(۳)۔ یا نماز کا وقت آیا اور اس نے نماز ترک کردی یہ ترک صلوٰۃ ترک مامور بہ کی(۴) مثال ہے اور ترک عدمی یہ ہے کہ اسباب وجود کے نہ ہوں اور کسی کام کو ترک کیا جائے(۵)۔ جیسے ایک وقت بہت سے افعال منہی عنہا سے آدمی بچا رہتا ہے اور احتراز کا قصد بھی نہیں ہوتا(۶)۔ پس ترک تو کبھی طاعت ہے اور کبھی معصیت اور دوسرا ترک نہ معصیت ہے نہ طاعت اس لئے تزکی سے ترک عدمی تو مراد ہوسکتا نہیں کیونکہ محل مدح میں فرمانا دلیل ہے اس کی طاعت ہونے کی اور ترک عدمی طاعت بھی نہیں۔ پس یقیناً ترک وجودی ہی مراد ہے یعنی احتمال وجود کے وقت رذائل کا ترک کرنا اور معصیت بھی رذائل کا فرد ہے پس تزکی میں تمام معاصی کا ترک داخل ہوگیا۔ اور معاصی میں طاعت کا ترک بھی داخل ہے تو اس طرح سے " قد أفلح من تزکیٰ "(بامراد ہوا وہ شخص جو پاک ہوگیا) ہی میں ترک معاصی وامتثال طاعات سب داخل ہوجاتا ہے مگر چونکہ یہ اشتمال ظاہر نہ تھا اس لئے اللہ تعالی جل شانہ نے تحصیل طاعات کو(وَ ذَکَرَ اسۡمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی) (اپنے رب کا نام ذکر کیا پس نماز پڑھی) میں ذکر فرمادیا۔ پس اب تزکی میں ترک منہیات ہی داخل رہا اور ان دونوں کے مجموعہ کو مدار فلاح ٹھہرایا گیا۔ تو ثابت ہوا کہ فلاح کا مدار تخلیہ وتحلیہ دونوں کے مجموعہ پر ہے اور یہی

(۱) کسی کام کو چاہیے کرنے کا حکم دیا گیا ہو یا نہ کرنے کا (۲) جب اس کے پائے جانے کا احتمال ہو چھوڑ دیا جائے (۳) جس کام سے روکا گیا تھا اس سے رکنے کی مثال ہے (۴) جس کا حکم دیا تھا اس کو ترک کرنے کی مثال ہے (۵) اس کے وجود کے اسباب ہی نہ پائے جائیں اس وجہ سے ترک کیا (۶) ایک وقت میں آدمی بہت سے ایسے کاموں سے بچا رہتا ہے جن سے بچنے کا حکم ہے جبکہ اس کا ان سے بچنے کا ارادہ بھی نہیں ہوتا۔

صوفیاء کا قول ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ بدون ان دونوں کے سلوک کامل نہیں ہوسکتا۔

تخلیہ مقدم ہے یا تحلیہ

البتہ شیوخ کا اس میں اختلاف ہے کہ تحلیہ کو مقدم کیا جائے اور تخلیہ کو مؤخر یا تخلیہ کو مقدم کیا جائے اور تحلیہ کو مؤخر(۱) اور دونوں طریق ہیں۔ خواہ تخلیہ کو مقدم کیا جائے یا تحلیہ کو کیونکہ ان دونوں میں جانبین سے التزام ہے جیسے ایک بوتل میں پانی بھرا ہو اور ہم پانی نکال کر اس میں ہوا بھرنا چاہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ پہلے پانی کو نکال دو ہوا خود بخود بھر جائے گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی آلہ کے ذریعے سے پہلے ہوا بھرنا شروع کرو پانی خود ہی نکل جائیگا۔

اسی طرح فضائل کے حاصل کرنے سے رذائل خود بخود زائل ہوجاتے ہیں۔ مثلاً کسی نے سخاوت کی صفت حاصل کرلی تو بخل جاتا رہیگا اور رزائل کے زائل کرنے سے فضائل خود بخود حاصل ہوجاتے ہیں۔ مثلاً بخل زائل ہوگیا تو سخاوت حاصل ہوجائیگی۔

غرض دونوں طریق مفید ہیں مگر چشتیہ نے تخلیہ کو مقدم کیا ہے (اور یہ آیت بظاہر مؤید ہے ۱۲) اور نقشبندیہ نے تحلیہ کو مقدم کیا ہے اور آیت "واذکر اسم ربك وتبتل اليه تبتيلا" (اور اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو اور سب سے قطع کرکے اس کی طرف متوجہ ہوجاؤ) کا ظاہر ان کا مؤید ہے۔

ہر شخص کی استعداد جدا ہوتی ہے

مگر میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہر شخص کی استعداد جدا ہوتی ہے کسی کے

(۱) پہلے رزائل دور کئے جائیں پھر فضائل حاصل کریں یا پہلے ذکر اذکار کریں رزائل ان سے خود بخود دور ہوجائیں گے۔

لئے تقدیم تخلیہ مفید ہے اور کسی کے لئے تقدیم تحلیہ مفید ہے اس سے یہ بھی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ سب کے لئے نہ چشتیت مفید ہے نہ نقشبندیت۔ بلکہ کسی میں چشتیت کا غلبہ نافع ہے اور کسی میں نقشبندیت کا غلبہ مفید ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ سب کے لئے خاندان چشتیہ یا نقشبندیہ میں داخل ہونا مفید نہیں اور کوئی یہاں داخل ہو کوئی وہاں۔ بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ جو شخص چشتی ہو اسے سب مریدوں کو طریق چشتیت ہی سے تربیت نہ کرنا چاہئے۔ اسی طرح جو شخص نقشبندی ہو اسے سب کو نقشبندیت کے ساتھ تربیت نہ کرنا چاہئے بلکہ سب مشائخ کو لازم ہے کہ طالب کی استعداد دیکھ کر جو طریق اس کے لئے مفید ہو وہ تجویز کریں۔ بس چشتی بھی دونوں طریقوں سے کام لیں اور نقشبندی بھی۔ اس طرح ہر ایک کے مریدوں میں کوئی چشتی ہونا چاہے کوئی نقشبندی اس سے سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ چشتی بننے کے لئے یہ ضرور نہیں کہ جب سلسلہ چشتیہ میں داخل ہو جب ہی چشتی ہو نقشبندی بننے کے لئے بھی یہ ضرور نہیں کہ سلسلہ نقشبندیہ میں داخل ہو جب ہی نقشبندی ہو بلکہ چشتیت نام ہے تخلیہ کے زیادہ اہتمام کا اور نقشبندیت نام ہے تحلیہ کے زیادہ اہتمام کا(۱)۔ پس جو تخلیہ کا زیادہ اہتمام کرے وہ چشتی ہے گو کسی خاندان میں داخل ہو اور جو تحلیہ میں داخل ہو اور تحلیہ کا زیادہ اہتمام کرے وہ نقشبندی ہے گو سلسلہ چشتی ہی میں داخل ہو۔ ایک سلسلہ میں ہو کر دوسرے سلسلے کے طریق پر چلنا کچھ ممنوع نہیں بلکہ دوسرے سے مناسبت ہو تو شیخ کو ضروری ہے کہ اسی طریق پر چلائے۔

خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت بہاء الدین نقشبندی m

(۱) چشتیت نام ہے اول رزائل کے دور کرنے کا اور نقشبندیت نام ہے ذکر و تسبیح کا اول سے زیادہ اہتمام کرنے کا۔

دونوں ایک ہیں۔ مقصود دونوں کا ایک، صرف طریق تربیت میں فرق ہے جو شخص ان کو باہم جدا سمجھے گا اور کسی ایک کی تنقیص کریگا وہ دونوں دروازوں سے محروم رہیگا۔ ان کو دو سمجھنا ایسا ہی ہے جیسے بھینگا آدمی ایک چیز کو دو دیکھتا ہو۔

مولانا فرماتے ہیں:

شاہ راحوال کرد در راہ خدا آں دود مساز خدائی را جدا

''دو بزرگوں میں سے جو شخص ایک کی تنقیص کریگا وہ دونوں سے محروم رہے گا''

اس پر مولانا نے ایک بھینگے کی حکایت لکھی ہے کہ وہ ایک دن استاد نے اس سے کہا کہ فلاں طاق میں ایک بوتل رکھی ہے اس کو اُٹھالا! وہ پہنچا تو اس کو دو نظر آئیں کہا صاحب وہاں تو دو بوتلیں ہیں کونسی لاؤں؟ اس نے کہا ارے احمق دو نہیں ہیں ایک ہی ہے اس نے اصرار کیا کہ واہ وہاں صاف نظر آرہی ہیں۔ استاد نے کہا اچھا ایک توڑ دے اور دوسری لے آ۔ اب جو اس ایک کو توڑا تو دونوں غائب، اسی طرح ان دو بزرگوں میں جو شخص کسی ایک کی تنقیص کرے گا وہ دونوں سے محروم رہے گا۔ بعض لوگوں کو یہ مرض ہوتا ہے کہ ایک خاندان میں داخل ہوکر اس کی رسوم کے ایسے پابند ہوتے ہیں کہ دوسرے خاندان کے طریق کا اختیار کرنا حرام سمجھ لیتے ہیں۔ یہ بڑی نادانی ہے۔

شیخ کامل کی تجویز پر بلا چون و چرا عمل کی ضرورت

ایک شخص حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور شکایت کی کہ حضرت مجھے قبض رہتا ہے کسی طرح بسط نہیں ہوتا(۱) آپ نے ارشاد فرمایا کہ ذکر

(۱) دل پر تجلیات کا ظہور نہیں ہوتا ایک ظلمت سی ہر وقت طاری رہتی ہے۔

جہر سے(۱) کیا کرو۔ تو وہ کہتا ہے کہ حضرت میں تو نقشبندی ہوں جہر کیسے کروں؟ آپ نے فرمایا اچھا اگر نقشبندی ہو تو جاؤ۔ پھر اس نے ذکر بالجہر شروع کیا بس جہر کرتے ہی بسط ہو گیا۔ اب بتلایئے اس شخص کی طبیعت کو ذکر جہر سے مناسبت تھی مگر اس کے شیخ نے ذکر خفی(۲) ہی تجویز کیا جس سے نفع نہ ہوا۔ حضرت حاجی صاحب m نے پہچان لیا کہ اس کو جہر سے مناسبت ہے وہی تجویز فرمایا۔ مگر وہ شخص نقشبندی ہونے کا عذر کرنے لگے یہ نہایت واہیات ہے۔ شیخ کامل جو تجویز کرے طالب کو اس پر بلا تردد وشک عمل کرنا چاہئے کیونکہ وہ صاحب بصیرت ہوتا ہے طالب کی استعداد کو پہچانتا ہے اور پہچان کر نسخہ تجویز کرتا ہے تو خوب سمجھ لو کہ ذکر جہر نقشبندیت کے منافی نہیں(۳) اور نہ ذکر خفی چشتیت کے منافی ہے۔ مقصود دونوں کا ایک ہے اور دونوں کو طالب کی استعداد کے موافق جو طریق مفید معلوم ہو وہی بتلانا چاہئے دونوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ چشتیہ کے مذاق پر تخلیہ کا اہتمام غالب ہے اور نقشبندیہ کے مذاق پر تحلیہ کا اہتمام غالب ہے(۴)۔

سلسلہ چشتیہ اور نقشبندیہ کی حقیقت

چنانچہ ایک صاحب نے حضرت حاجی صاحب m سے مشورہ لیا کہ میں سلسلہ چشتیہ میں مرید ہوں یا نقشبندیہ میں؟ حضرت نے فرمایا کہ اگر ایک جنگل ہو

(۱) ذکر زور سے کیا کرو (۲) آہستہ ذکر تعلیم کیا تھا (۳) زور سے ذکر کرنا نقشبندیت کے خلاف نہیں اور آہستہ ذکر کرنا چشتیت کے خلاف نہیں (۴) چشتیہ پہلے بری عادتوں کو چھڑاتے ہیں پھر ذکر تعلیم کرتے ہیں اور نقشبندی ابتداء ذکر تعلیم کرتے ہیں جس کی برکت سے رزائل خود دور ہو جاتے ہیں۔

جسمیں جھاڑیاں اور خاردار درخت کھڑے ہوں ایک شخص اس میں زراعت کرنا چاہتا ہے تو وہ کیا کرے آیا پہلے جنگل کو جھاڑ وغیرہ سے صاف پاک کرے پھر تخم پاشی کرے یا پہلے تخم پاشی کردے اور بعد کو صاف کرتا رہے(۱)۔ ان صاحب نے کہا پہلے تخم پاشی کرنا چاہئے(۲) کیونکہ پہلے صفائی میں لگا تو ممکن ہے اسی میں موت آجائے اور تخم پاشی کی نوبت بھی نہ آئے۔ اور پہلے بیج ڈال کر صفائی میں لگے گا تو کچھ تو غلہ پیدا ہو ہی جائیگا۔ حضرت نے فرمایا کہ نقشبندیہ کے یہاں جا کر مرید ہوجاؤ تمہاری طبیعت کو ان کے مذاق سے زیادہ مناسبت ہے دیکھئے حضرت نے دونوں طریقوں کی حقیقت بتلادی کہ مقصود دونوں کا ایک ہے صرف تخلیہ اور تحلیہ کی تقدیم واہتمام کا فرق ہے اور جب آپ کو معلوم ہوگیا کہ طالب کو نقشبندیہ کے مذاق سے زیادہ مناسبت ہے تو خود ہی فرمادیا کہ تم نقشبندی سلسلہ میں بیعت ہوجاؤ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت حصول مقصود کے لئے دونوں کو کافی سمجھتے تھے۔ (اور اگر یہ صاحب حضرت سے مشورہ نہ کرتے بلکہ بیعت کی درخواست کرتے اور حضرت بیعت بھی کرلیتے تب بھی ان کو تربیت نقشبندی ہی طریقے سے کرتے۔ پس مشائخ کو بھی طرز اختیار کرنا چاہئے اور جو محقق ہوگا وہ ایسا ہی کریگا۔۱۲) بحمد اللہ اس وقت تزکیہ کے متعلق کافی مضمون بیان ہوگیا اور اس میں جو غلطیاں واقع ہوتی ہیں ان کا ازالہ(۳) بھی ہوگیا اور شکوک وشبہات بھی رفع ہوگئے۔ اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ

(۱) پہلے جنگل میں سے گھاس پھونس اور جھاڑیاں دور کرے پھر اس میں بیج ڈالے یا پہلے بیج ڈالے پھر صاف کرے (۲) پہلے بیج ڈالے (۳) غلطیوں کو دور بھی کردیا۔

ہماری اصلاح فرمائے اور فہم سلیم اور عمل مستقیم عطا فرمائے آمین (۴)

(وصلیٰ اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا ،ومولانا محمد وعلیٰ آلہ وأصحابہ وبارك وسلم۔ ثم بحمد اللہ الذی بعزۃ جلالہ تتم الصالحات)

ختم شد

---

(۴) اللہ تعالیٰ مستفیدین کی اصلاح فرمائے اور عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۲۳/رجب ۱۴۳۵ھ